دیس دیس کی لوک کہانیاں
پبلیکیشنز ڈویژن

دیس دیس کی لوک کہانیاں

اپریل ۱۹۵۸ء

قیمت ۱۔۵۰ نئے پیسے

پبلیکیشنز ڈویژن
منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ
گورنمنٹ آف انڈیا

(ایسٹرن پرنٹنگ پریس دہلی)

ترتیب

دیباچہ

انسان کو قدرتی طور پر کہانی اچھی لگتی ہے۔ بچوں کو سکھانے پڑھانے کے لئے تو کہانی ایک دل کش ذریعہ ہے ان کے خیال کو اونچی اڑان دینے کا ایک آسان وسیلہ ہے۔ دیس دیس کی مشہور لوک کہانیوں کا یہ مجموعہ اس مقصد سے شائع کیا جا رہا ہے کہ ہمارے ملک کے بچے دوسرے ملک کی لوک کہانیوں سے واقفیت حاصل کریں اور مختلف قوموں کے درمیان محبت کا جذبہ بڑھے۔

ہر ملک میں لوگوں کی زندگی اور لوک کہانیوں کا آپس میں اٹوٹ رشتہ ہے۔ عوام کے ادب اور اُن کی زندگی کی روائتیں ایک جیسی ہیں۔ لوک کہانیوں پر مختلف صورتوں میں لوک جیون ہی کی چھاپ ہے۔ اس لئے ان لوک کہانیوں کے ذریعے سے ہمارے بچے دوسرے ملکوں کے لوک جیون سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ کئی دوسرے ملکوں کی لوک کہانیاں بنیادی طور پر بھارت کی لوک کہانیوں سے ملتی جلتی ہیں جس ملک یا اس کے خطے میں وہ کہانیاں پنپتی ہیں وہاں کے لوک جیون کی چھاپ اُن پر پڑ جاتی ہے۔ جس طرح اینٹ گارا سب جگہ ایک سا ہے لیکن ہر انسان اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق ہی مکان بنا لیتا ہے۔

لوک کہانیوں کا اسلوب بہت ہی دل کش اور جیتا جاگتا ہوا کرتا ہے۔ لوک کہانیوں کے لکھنے والوں اور ان کے اسلوب سے متاثر ہو کر ایک بار پنڈت جواہرلال نہرو نے کہا تھا ——" مجھے کئی بار اس بات سے حیرانی ہوتی ہے کہ یہ مرد اور عورتیں جنھوں نے ایسے جیتے جاگتے سپنوں اور خیالات کے سہارے ایسی انوکھی اور دلچسپ کہانیاں سجائی ہیں، کیسے ہوں گے اور انھوں نے فکر اور خیال کی کس سونے کی کان میں سے کھود کر ایسی چیزوں کو نکالا ہوگا۔"

لوک کہانیاں صدیوں سے انسان کا دل بہلاتی آ رہی ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگی۔

ساوتری دیوی ورما

من متھ ناتھ گپت — ترکی لوک کہانی

سونے کا بکرا

بہت دن پہلے ایک راجہ رہتا تھا جس کے صرف ایک ننھی سی لڑکی تھی۔ راجکماری گوری چٹی تھی۔ اس کے بال سنہرے اور گھنگھریالے، آنکھیں نیلی اور گال گلابی تھے۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ جو بھی اُسے دیکھتا اُسے پیار کرنے لگتا تھا۔ قدرتی طور پر اس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے کئی لوگ خواہش مند تھے۔ لیکن جو عورت اس راجکماری کی نگہبان تھی وہ کسی کو اُس کے پاس پھٹکنے نہ دیتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راجکماری کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی۔

ایک دن نگہبان عورت کے دماغ میں ایک خیال آیا۔ اور وہ راجہ کے سامنے جاکر کہنے لگی —— "مہاراج! آپ کی بیٹی سے شادی کرنے کے لئے بہت سے لوگ خواہش مند ہیں۔ یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ کسے چُنا جائے اور کسے چھوڑا جائے۔ اس جھمیلے سے بچنے کے لئے میرے دل میں ایک خیال آیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں یہ خیال آپ کے سامنے پیش کردوں۔"

راجہ نے کہا۔ "میں بھی یہی بات سوچتا رہتا ہوں۔ جو کچھ بھی ہو تم اپنا خیال ظاہر کرو۔"

وہ کہنے لگی —— "راجکماری کے لئے ہم زمین کے نیچے ایک بہت خوبصورت محل بنوائیں۔ اس محل کے باغ میں جانے کے لئے سیڑھیاں ہوں اور جہاں سیڑھیاں ختم ہوتی

ہوں وہیں لوہے کا ایک چور دروازہ ہو۔ اس محل میں جانے کا صرف یہی ایک دروازہ ہوگا
جو لوگ راجکماری سے شادی کرنے کے لئے آئیں اُن سب کو تین دن کی مہلت دی جائے
تاکہ وہ سیڑھیوں سے ہو کر راجکماری کا پتہ لگائیں۔ جو اس مہلت کے اندر راجکماری کا
پتہ نہ لگا سکے اُسے تیسرے دن شام کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔"

راجہ کو یہ ترکیب بہت پسند آئی۔ نگہبان عورت کو بھی اس سے بہت ہی خوشی
ہوئی اور وہ اس بات کا انتظار کرنے لگی کہ راجہ اس محل کو بنانے کا اُسے حکم دے۔

راجہ نے جب اس عورت کو سامنے کھڑا پایا تو بولا ـــــ "جاؤ وہ محل بنوا
دو۔" وہ عورت چلی گئی۔ اور فوراً ہی اُس نے راج اور بڑھئی بُلا کر اس کام کو
شروع کرا دیا۔ دن رات کام جاری رہا اور چالیس دن کے اندر سب کچھ بن کر تیار
ہو گیا۔ اب راجکماری کو اُس محل میں بھیج دیا گیا۔ ہر روز کوئی نوجوان آتے ہر ایک کو تین
دن کی مہلت دی جاتی۔ جب تین دن گزر جاتے تو اُن کا سر کاٹ دیا جاتا۔ نگہبان عورت
کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ وہ طبیعت کی بہت ظالم تھی۔ اتنے لوگوں کے
سر کاٹ دیئے گئے کہ اس عورت نے اُن کے سروں سے وہاں ایک مینار بنوا دیا۔

پڑوس کے ایک ملک میں بھی یہ خبر پہنچی۔ وہاں کے راجہ کے تین بیٹے تھے۔ ایک
دن سب سے بڑے بیٹے نے راجہ سے کہا ـــ "مہاراج میں چھپی ہوئی راجکماری کا پتہ
لگانے کے لئے عہد کر چکا ہوں۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا اور اس سے شادی کروں گا۔"

راجہ نے بہتیرا سمجھایا کہ بیٹیا اس کام سے باز آؤ لیکن وہ نہ مانا۔ راجہ اُس کو
جتنا سمجھاتا رہا راجکمار کی ضد اُتنی ہی بڑھتی گئی۔ آخرکار جب راجہ نے دیکھا کہ وہ کسی
طرح ماننے والا نہیں تو سفر کی تیاری شروع ہو گئی۔ راجہ نے لڑکے کو دھوم دھام سے

راجہ کو یہ بتایا گیا کہ ایک آدمی آرہا ہے جو راجکماری
کو سونے کا ایک بہت ہی شاندار بکرا دینا چاہتا ہے

رخصت کیا اور کچھ دُور تک راجہ اور دو راجکمار بھی بڑے راجکمار کے ساتھ گئے۔
راجکمار نے جاکر راجکماری کے باپ سے کہا۔ "میں آپ کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
راجہ بولا۔ "بیٹا تم ابھی کم عمر ہو اور تم نے دُنیا بہت کم دیکھی ہے۔ اس ضد کو چھوڑ دو۔ کتنی ہی اور راجکماریاں ہیں اور اُن میں سے کئی میری بیٹی سے اچھی بھی ہیں۔ بات یہ ہے کہ میری بیٹی کو کہیں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اگر تم اس جھگڑے میں پڑتے ہو تو تین دن میں اُسے ڈھونڈ نکالنا ہوگا۔ اور اگر تم اسے ڈھونڈ نہ سکے تو شرط یہ ہے کہ تمھارا سر کاٹ دیا جائے گا۔"
اس پر نوجوان راجکمار بولا۔ "جو پیدا ہوا ہے وہ تو ایک دن مرے گا ہی۔ جو میری تقدیر میں لکھا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا پھر ڈر کیسا؟ اس لئے میں نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ میں اس ارادے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"
اُس دن تو راجکمار آرام کرتا رہا لیکن اگلے دن سے اس نے راجکماری کی تلاش شروع کی۔ تین دن تک وہ ڈھونڈتا رہا لیکن جب تیسرے دن کی شام تک بھی وہ راجکماری کو ڈھونڈ نہ سکا تو اس کا سر کاٹ لیا گیا اور سروں کے مینار میں ایک اور سر بڑھ گیا
جب کچھ مدّت گزر گئی اور بڑا راجکمار واپس نہ آیا تو منجھلے راجکمار نے راجہ سے کہا۔ "پتاجی: اب میں اپنے بھائی کو ڈھونڈنے جاؤں گا۔"
راجہ بولا۔ "بیٹا تمھارے بھائی کا سر اس وقت سروں کے مینار میں رکھا ہوگا۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اگر کامیاب ہو جاتا تو ہمیں خبر

مل جاتی۔"

اس پر منجھلے راجکمار نے کہا۔ "میں بھی اسی کام پر جاؤں گا جس کام پر میرے بھائی گئے تھے۔"

راجہ نے منجھلے راجکمار کو سمجھایا لیکن وہ نہ مانا۔ آخرکار جب راجہ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح نہیں مانتا تو اس نے اسی طرح اس کو بھی رخصت کیا۔ منجھلا راجکمار اسی طرح تین دن تک ڈھونڈتا رہا آخرکار ناکام ہونے کے باعث اس کا سر بھی سروں کے مینار میں پہنچ گیا۔ جب کئی دنوں تک منجھلا راجکمار واپس نہ آیا تو چھوٹا راجکمار بھی راجہ سے رخصت لے کر اس جگہ پہنچا۔ راستے میں ایک شہر آیا جہاں وہ ایک سنار سے ملا۔ اس کو راجکمار نے سونے سے بھری ہوئی دو بوریاں دیں اور کہا کہ "جلدی سے اس سے سونے کا ایک بکرا بنا دو۔ یہ بکرا اتنا بڑا ہو کہ میں اس کے اندر چھپ سکوں۔ باقی سونا تم اپنے پاس رکھ لو۔"

سنار اس بات سے بہت خوش ہوا اور اس نے فوراً کام شروع کر دیا۔ اگلے دن صبح تک سونے کا بکرا تیار ہو گیا۔ راجکمار اس کی کاریگری دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اس سے کہا۔ "اب ایک کام کرو کہ اس بکرے کو لے جاؤ اور راجکماری کے باپ کو دے دو۔"

اس کے بعد وہ خود سونے کے بکرے کے اندر گھس گیا اور سنار مزدوروں کو بلوا کر اسے لے چلا۔ راجہ کو اطلاع دی گئی کہ ایک آدمی آیا ہے جو راجکماری کو سونے کا ایک بہت ہی شاندار بکرا پیش کرنا چاہتا ہے۔ جب راجہ نے یہ بات سنی تو اس نے کہا کوئی بات نہیں کسی نہ کسی طرح راجکماری کا دل تو بہلانا ہی ہے۔"

اُس نے حکم دیا کہ سونے کے بکرے کو راجکماری کے پاس بھیج دیا جائے ۔ راجہ کے بہت سے معتبر سپاہی بکرے کو لے کر راجکماری کے پاس پہنچانے گئے ۔ راجکماری نے اُسے اپنے کمرے کے ایک کونے میں رکھوا لیا ۔ چھوٹے راجکمار نے بکرے کے اندر سے راجکماری کو دیکھا تو اُسے بہت تعجب ہُوا کیونکہ راجکماری بہت ہی حسین تھی ۔

بکرے کے اندر رہتے ہوئے چھوٹے راجکمار کو بھوک لگنے لگی ۔ راجکماری کے لئے ہر روز رات کو جو کھانا چُنا جاتا چھوٹا راجکمار سونے کے بکرے کے اندر سے نکل کر کھانا کھا لیا کرتا ۔ راجکماری بہت کم کھاتی تھی ۔ پھر بھی جب کئی دنوں تک اُس نے دیکھا کہ اُسے کھانا بہت کم ملتا ہے تو اُس نے سوچا کہ یہ کسی نوکر کا کام ہے اس لئے وہ پہرے پر اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کا پتہ نہ چل سکے یہاں تک کہ بکرے کے اندر بیٹھے ہوئے راجکمار کو بھی کچھ پتہ نہیں لگا اور وہ ہر روز کی طرح وقت پر باہر نکل کر کھانا کھانے لگا ۔ جب کھا چکا اور بکرے کے اندر جانے لگا تو راجکماری نے یکایک بتی جلا دی اور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا ۔ تھوڑی دیر تک وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور آخرکار راجکماری نے پوچھا ۔ "تم کون ہو ؟"

چھوٹا راجکمار بولا ۔۔ "میں راجکمار ہوں میرے دو بڑے بھائی تمہاری خاطر سر گنوا چکے ہیں ۔ اس لئے میں نے تمہیں پانے کے لئے یہ ترکیب نکالی :

راجکماری اپنی نگہبان عورت کی حرکتوں سے تنگ آ چکی تھی ۔ دونوں نے مل کر یہ طے کیا کہ دن بھر تو راجکمار بکرے کے اندر رہے اور جب سب لوگ چلے جایا کریں دونوں مل کر بات چیت کیا کریں ۔ ایسا بہت دنوں تک ہوتا رہا ۔ ایک دن راجکماری نے کہا ۔ "ہم اس طرح کب تک رہیں گے ۔ اب کچھ کرنا چاہیئے ۔ کوئی ایسی ترکیب نکالی

چاہیئے کہ ہم یہاں سے چھٹکارا پائیں۔"

راجکمار نے کہا ۔ "اس کی ایک ہی ترکیب ہے ۔ وُہ یہ ہے کہ اس بکرے کی ایک ٹانگ توڑ دی جائے اور پھر تم اپنے باپ کے پاس یہ خبر بھیجو کہ بکرے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اس لئے اس کی مرمت کی جائے ۔ اس بہانے سے میں باہر چلا جاؤں گا اور پھر نکل کر آ جاؤں گا ۔"

اگرچہ راجکماری یہ نہ سمجھ سکی کہ راجکمار کس طرح واپس آ جائے گا پھر بھی اُسے راجکمار پر اِتنا اعتبار ہو چکا تھا کہ اس نے بغیر پوچھے ہی اس تجویز پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

راجہ کو خبر بھیجی گئی اور مناسب وقت پر سونے کا بکرا راجہ کے ہاں پہنچایا گیا۔ وہاں سے وہ بکرا اُسی پہلے سُنار کے گھر بھیج دیا گیا۔ راجکمار سُنار سے ملا ہُوا تو تھا ہی وہ باہر نکلا اور سیدھا راجہ کے پاس جا کر کہنے لگا ۔ "میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

راجہ نے اُسے بہت منع کیا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہُوا ۔ آخرکار راجہ نے مجبور ہو کر اس راجکمار کو اپنے سپاہیوں کے سپرد کیا ۔ راجکمار کو اچھی طرح معلوم تھا کہ راجکماری کے ہاں پہنچنے کا دروازہ کدھر ہے ۔ لیکن وہ دو دن تک اِدھر اُدھر بھٹکتا اور دیکھ بھال کرتا رہا گویا اُسے کچھ معلوم ہی نہیں ہے ۔ تیسرے دن وہ راجہ کے سامنے آیا اور بولا۔ "کیا میں آگے اپنی تلاش جاری رکھ سکتا ہوں ؟"

نگہبان عورت راجکمار کی بغل میں کھڑی تھی ۔ وہ ڈر رہی تھی کہ شکار کہیں ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ وہ چاہتی تھی کہ سروں کے مینار میں اس کا سر بھی رکھا جائے ۔ لیکن راجہ نے کہا۔ "ضرور، تم اپنی تلاش جاری رکھ سکتے ہو ، لیکن یہ شرط تو یاد ہے نا کہ اگر

جو سچ مچ باندیاں تھیں وہ تو جھٹ پٹ گنتی کرنے
کے لئے جھک گئیں۔ مگر راجکماری نہ جھکی۔

آج شام تک تم راستہ نہ ڈھونڈ سکے تو تمہارا سر سروں کے مینار میں دکھائی دے گا۔"

راجکمار نے کہا "مجھے سب معلوم ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے راج محل کے ساتھ جو تالاب ہے اُسے خالی کرایا جائے۔"

راجہ مجبور تھے۔ فوراً ہی لوگ کام پر لگ گئے اور تالاب کا سب پانی نکال دیا گیا۔ پانی نکلتے ہی پاتال کے راج محل کا دروازہ دکھائی دیا۔ تب راجکمار بولا "یہ دروازہ کھولا جائے۔"

نگہبان عورت نے جب یہ سنا تو وہ بہت پریشان ہوئی کیونکہ چابی اُسی کے پاس تھی۔ لیکن مجبور تھی اُسی وقت اُسے چابی دینی پڑی اس نے کہا کہ "کھولنے کو تو کھول دو لیکن میں ایک منٹ میں تمہیں اندر بلاؤں گی، تب تک انتظار کرو۔"

راجکمار باہر کھڑا رہا۔ نگہبان عورت اندر گئی اور اس نے راجکماری کو بلا کر جلدی سے اُسے ایک باندی کی پوشاک پہنا دی۔ پھر اُسے سب باندیوں میں شامل کر دیا۔ اس کے بعد راجکمار کو بلایا گیا اور اُس سے کہا گیا کہ تم ان میں سے راجکماری کو ڈھونڈ نکالو۔

اگرچہ راجکمار نے راجکماری کو بہت قریب سے دیکھا تھا لیکن اُس شریر عورت نے باندیوں کو اس طرح سجایا تھا کہ پہلی نظر میں راجکماری پہچانی نہ گئی۔ اس پر راجکمار نے کچھ مُہریں لے کر باندیوں کے گروہ میں لٹانے کے ڈھنگ سے ڈال دیں۔ اس پر جو سچ مچ باندیاں تھیں وہ مُہریں اکٹھی کرنے کے لئے جُھک گئیں لیکن راجکماری نہ جُھکی اور راجکمار نے فوراً ہی اُسے پہچان لیا۔ بس پھر کیا تھا وہ اُس کے پاس پہنچا اور اُس نے سب کے سامنے راجکماری کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ راجکماری کے ساتھ راجہ کے پاس پہنچا فوراً ہی راجہ نے دونوں کو آشیرباد دیا اور اُن کا بیاہ ہو گیا۔

ان دونوں کا بسیاہ ہوگیا

اس کے بعد اس شریر عورت کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے۔ فوراً ہی اُسے جلادوں کے سپرد کیا گیا اور اس کا سر مردوں کے مینار میں رکھ دیا گیا۔

لگاتار چالیس دن تک دونوں ملکوں میں خوشیاں منائی گئیں اور راجکمار اور راجکماری ہنسی خوشی رہنے لگے۔

ساوِتری دیوی ورما　　　　رُوسی لوک کہانی

سُنہری مچھلی

روس میں سمندر کے کنارے ایک بوڑھا ماہی گیر رہتا تھا۔ وہ مچھلیاں پکڑ کر اپنا گزارہ کیا کرتا۔ سمندر کے کنارے ہی ایک اونچی چٹان پر اُس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ بوڑھا بہت ہی نیک اور صابر تھا لیکن اس کی بڑھیا بہت لالچی اور چڑچڑے مزاج کی تھی۔ دُنیا میں بہت سے لوگوں کی عادت ہی ایسی ہوتی ہے کہ اپنے موجودہ حالات پر اُنھیں صبر نہیں ہوتا اُن کی زندگی روتے چلّاتے ہی گزرتی ہے۔ اس بڑھیا کی عادت ایسی ہی تھی۔ بے چارہ بوڑھا ماہی گیر دن بھر آندھی طوفان میں سمندر کے کنارے مچھلیاں پکڑتا اور شام کو جب مچھلیوں سے بھری ہوئی ٹوکری لے کر گھر آتا تو وہ بڑھیا اس کا بوجھ اُتارنے اور جال سُکھانے میں مدد دینے کی بجائے اُسے جلی کٹی سُناتی۔ "ادہو! آگئے دن بھر سیر گشت کر کے! میں تو گھر کا کام کرتے کرتے تھک گئی اور ایک تم ہو کہ سارا دن سمندر کے کنارے بیٹھے بنسی بجاتے رہتے ہو۔ بس دن بھر میں اتنی ہی مچھلیاں پکڑی ہیں؟ معلوم ہوتا ہے تمھیں جال ڈالنا ہی نہیں آتا۔"

بے چارہ بوڑھا اپنی بڑھیا کی بک بک سُننے کا عادی ہو گیا تھا وہ اُس کی بات کو اَن سُنی کر کے کھانا کھا کر خدا کا شکر ادا کرتا اور سو رہتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اس

نے سمندر میں مچھلی پکڑنے کو جال ڈالا لیکن کوئی بھی مچھلی جال میں نہیں آئی —
نا اُمید ہوکر جب وہ جال سمیٹنے لگا تو اُسے جال کچھ بھاری معلوم ہُوا۔ لیکن
مچھلی اس میں کوئی دکھائی نہ دیتی تھی۔ پورا جال کھینچنے کے بعد جب اُس نے
اُسے کھولا تو اس میں سے ایک پیاری اور خوبصورت سی سنہری مچھلی نکلی۔ بوڑھے
ماہی گیر نے اُسے اُٹھا لیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد
وہ سنہری مچھلی ہوش میں آکر بولی۔" بوڑھے بابا! تم مجھے چھوڑ دو۔ میں سمندر
کی راجکماری ہوں۔ اگر تم رحم کرکے مجھے چھوڑ دوگے تو تم مجھ سے جو مانگا کروگے
تمھیں دیا کرونگی تمھاری سب غریبی دُور کر دوں گی۔" بوڑھے ماہی گیر کو ننھی سنہری
مچھلی پر رحم آگیا اور اُس نے اُسے سمندر میں چھوڑ دیا۔

سنہری مچھلی لہروں پر کھیلتی ہوئی اپنے راج محل میں واپس آگئی وہاں
اس کی سہیلیاں اور باندیاں گھبرائی ہوئی اس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ شہزادی کے
بخیریت واپس آنے پر راج محل میں خوب دھوم دھام سے جشن منایا گیا۔ سب
سہیلیوں نے مل کر خوب گیت گائے۔ وہ جھومر بنا کر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی خوب
ناچیں۔

ادھر شام کو جب بوڑھا ماہی گیر خالی ہاتھ گھر پہنچا تو اُس کی بڑھیا
نے اُسے بہت بُرا بھلا کہا۔ جب اُس کے غصّے کا اُبال نکل گیا تو بوڑھے نے
اُسے سنہری مچھلی کی بات بتائی۔ بڑھیا اُس وقت لکڑی کی ایک ٹوٹی ناند میں
کپڑے دھو رہی تھی۔ اُس نے چڑ کر کہا۔" ادھو یہ تو سب جھوٹی باتیں ہیں۔
میں تو جب جانوں کہ تم لکڑی کی ایک نئی ناند ہی اس سے مانگ کر لا دو۔"

اس نے چڑ کر کہا "ارے بدھو ۔ یہ تو
سب جھوٹی باتیں ہیں ۔ جب
جاؤ تو تم لکڑی کی ایک نئی ناند
بھی اس سے مانگ کر لاؤ ۔"

دوسرے دن بوڑھے نے سمندر کے کنارے جاکر پکارا۔ "اے سنہری مچھلی۔! تم کہاں ہو! ذرا میری بات سُن جاؤ ......" بوڑھے کا اتنا کہنا تھا کہ رحم دل سنہری مچھلی لہروں میں کھیلتی، اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی فوراً وہاں آ پہنچی۔ اُسے دیکھ کر بوڑھا تین بار اُس کے آگے زمین کو چھوکر آداب بجا لایا اور بولا.... "اے سمندر کی راجکماری: میری بڑھیا کو لکڑی کی ایک بڑھیا ناند چاہیئے۔"

"اُس کی خواہش پوری ہوگی۔" یہ کہہ کر سنہری مچھلی غائب ہو گئی۔ گھر آکر بوڑھے نے دیکھا کہ پُرانی ناند کی جگہ شیشم کی لکڑی کی ایک بڑھیا ناند رکھی ہوئی ہے۔ بوڑھے نے سنہری مچھلی کا بار بار شکریہ ادا کیا لیکن وہ بے صبر بڑھیا اس سے خوش نہ ہوئی۔ وہ نفرت سے بولی "لکڑی کی ناند کون سی بڑی چیز ہے جس کے لئے تم دس بار شکریہ ادا کر رہے ہو۔ کل تم جاکر اُس سے کہنا کہ اس جھونپڑی کے بدلے ہمیں ایک بڑھیا مکان چاہیئے۔"
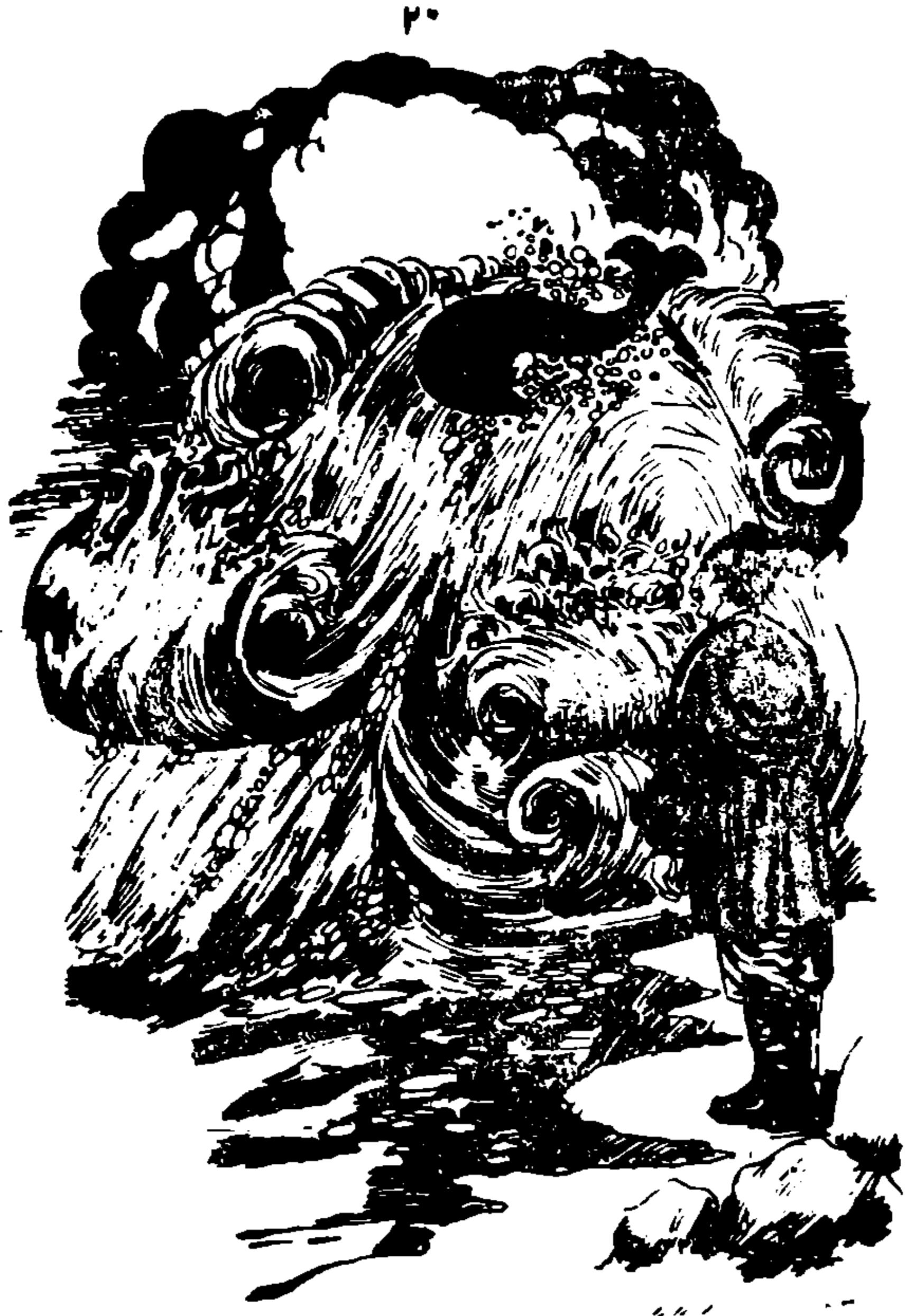
دوسرے دن صبح، اندھیرے ہی اُس نے بوڑھے کو بغیر کچھ کھلائے پلائے سمندر کے کنارے بھیج دیا۔ بیچارے بوڑھے ماہی گیر نے وہاں آکر پھر پکارا۔ "اے سمندر کی راجکماری! تم کہاں ہو؟ میری بات سنو!"

سمندر میں لہریں اُٹھیں اور اُن پہ بل کھاتی ہوئی سنہری مچھلی آ پہنچی۔ بوڑھے نے اپنی ٹوپی سے تین بار زمین کو چھو کر بندگی کی اور بولا "اے میری سنہری مچھلی! میری بڑھیا کو اس جھونپڑی میں رہنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے اسے ایک اچھا اور پکّا گھر چاہیئے۔"

"اُس کی خواہش پوری ہوگی۔" یہ کہہ کر سنہری مچھلی پھر غائب ہو گئی۔
گھر آکر بوڑھے نے دیکھا کہ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی جگہ ایک بڑھیا مکان
کھڑا ہے۔ اُس میں کھانے پینے اور رہنے کے سب ساز و سامان ہیں۔ صحن
میں گائے بندھی ہے۔ گھر کے آس پاس مُرغیاں دانہ چُگ رہی ہیں۔
چاروں طرف اناج کے کھیت لہلہا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بوڑھا
بڑھیا سے بولا:۔
"اب تو ہم ایک اچھے کھاتے پیتے کسان کی طرح سُکھ سے رہیں گے
بھلا اب ہمیں کس بات کی کمی ہے۔"
خیر بوڑھے نے کچھ دن تو چین سے بسر کئے لیکن وہ بے صبر بڑھیا
اپنے موجودہ حالات سے کبھی خوش ہونے والی نہ تھی۔ اُسے یہی پچھتاوا تھا
کہ اس جھونپڑی کے بدلے ایک بڑی حویلی کیوں نہ مانگ لی۔ وہ سوچنے
لگی کہ ایک کسان عورت کی طرح مجھے اپنا سب کام خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ کھیتوں
کی دیکھ بھال، گائے کی خدمت، گھر کا دھندا یہ کیا تھوڑا کام ہے۔ کسانوں
سے تو رئیس اچھے جنھیں کچھ محنت تو نہیں کرنا پڑتی۔ اس لئے اُس نے
ایک دن اپنے بوڑھے سے پھر کہا۔ "میں محنت مزدوری کی اس زندگی سے
تنگ آگئی ہوں۔ اب میں بھی رئیسوں کی بیویوں کی طرح شان و شوکت
سے رہنا چاہتی ہوں۔ اس لئے تم جاکر سنہری مچھلی سے کہو کہ مجھے حویلی
نوکر چاکر اور سُکھ کے سب سامان سے مالا مال کر دے۔"
یہ سُن کر بے چارہ بوڑھا ماہی گیر پھر سمندر کے کنارے آیا اور

ہچکچاتے ہوئے اُس نے پھر سمندر کی راجکماری کو پُکارا ۔ اس بار سمندر میں زیادہ اونچی لہریں اُٹھیں اور سنہری مچھلی اُن پر سوار ہوکر آئی ۔ بوڑھے نے فوراً تین بار جُھک کر پھر سلام کیا اور بولا ۔ " اے میری رحمدل راجکماری میری بڑھیا اب رئیسوں کی طرح سُکھ اور آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔"
" اُس کی خواہش پوری ہوگی ۔ " یہ کہہ کر سنہری مچھلی پھر غائب ہوگئی۔
گھر آکر بوڑھے نے دیکھا کہ اس کے مکان کی جگہ ایک عالی شان بڑی سی حویلی کھڑی ہے ۔ اس کے کمرے خوب سجے ہوئے ہیں۔ آٹھ دس نوکر نوکرانیاں بڑھیا کی خدمت میں حاضر ہیں ۔ کوئی اس کے بال سنوار رہی ہے۔ کوئی آئینہ لئے کھڑی ہے ، ایک باندی پوشاک لئے کھڑی ہے۔ دوسری کے ہاتھ میں نئے جوتے ہیں ۔ میز پر طرح طرح کے کھانے رکابیوں میں سجے ہوئے ہیں ۔ تجوریوں میں دھن دولت اور زیور بھرے ہوئے ہیں ۔ یہ سب دیکھ کر بوڑھے نے سنہری مچھلی کا دل ہی دل میں بار بار شکریہ ادا کیا۔

لیکن اس قدر دھن دولت پا کر بڑھیا کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا وہ ذرا ذرا سی بات پر اپنے بوڑھے کو جلی کٹی سنانے لگتی ۔ جیسے اس گھر میں یہ کسر ہے ، یہ کمی ہے ۔ یہ چیز نہیں ہے ، وہ چیز نہیں ہے ، تمھاری سُنہری مچھلی کو اس بات کا دھیان ہی نہیں رہا ، وہ فلاں چیز دینی بھول گئی بے چارہ بوڑھا چپ چاپ اپنی بڑھیا کی بکواس سُنتا رہتا اُسے اس کی بیوقوفی پر ترس بھی آتا لیکن وہ کچھ کہہ کر زیادہ جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

ایک دن بڑھیا کو سیر کرنے کا شوق چرایا۔ اُس نے اپنے نیک شوہر کو گھوڑا گاڑی جوت کر لانے کا حکم دیا۔ بے چارے بوڑھے نے گاڑی جوت کر دروازے کے سامنے لاکر کھڑی کر دی۔ اُس شریر بڑھیا کے بیٹھتے ہی گھوڑے بہت اُچھلنے لگے۔ لیکن ٹھیک بوڑھے کے راس سنبھالنے پر وہ بے حس و حرکت چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔ بڑھیا کے حکم دینے پر بوڑھے نے گاڑی ہانک دی۔ دُور تک سیر کر کے جب بڑھیا واپس آئی تو گھر آکر بوڑھے پر اور بھی برسی۔ "میں گاڑی میں بیٹھ کر سیر کرنا پسند نہیں کرتی کیونکہ سڑک پر دھول اُڑتی ہے۔ اور جس طرح لوگ رانی کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں اُس طرح لوگ میرے سامنے نہیں جھکے۔ میں ایسی گھٹیا زندگی پسند نہیں کرتی تم کل ہی جاکر اپنی سنہری مچھلی سے کہنا کہ وہ مجھے مہارانی بنا دے۔"

بے چارہ بوڑھا اپنی بڑھیا کی ہٹ دھرمی سے تنگ آگیا تھا۔ وہ سنہری مچھلی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہاں نہ جانے میں بھی بوڑھے کی خیر نہ تھی اُسے معلوم تھا کہ مچھلی سے کچھ مانگے بغیر واپس آنے پر بڑھیا اُسے گھر میں نہ گھسنے دے گی۔ اُس نے آکر بہت سوچ کر پھر پکارا

"اے میری سنہری راجکماری! مہربانی کر کے میری بات سنو!" اس بار سمندر میں بہت اونچی اونچی لہریں اٹھیں۔ آخر ایک اونچی لہر پر چڑھ کر سنہری مچھلی آئی اور اس نے پوچھا۔

"اب تمہاری بڑھیا کو اور کیا چاہیئے؟"

بوڑھے نے ڈرتے ڈرتے اپنی لالچی بڑھیا کی خواہش بتا دی۔ "اچھا

جاؤ بڑھیا کی یہ خواہش بھی پوری ہوگی۔" یہ کہہ کر سنہری مچھلی پھر اوجھل ہوگئی۔

گھر آکر بوڑھے نے دیکھا کہ حویلی کی جگہ ایک محل کھڑا ہے۔ اس کے چاروں طرف اونچی چار دیواری ہے۔ چار دیواری کے ساتھ ساتھ گہری کھائی کھدی ہوئی ہے۔ اس قلعہ میں محل کے سب سے خوبصورت حصّے میں بڑھیا بے شمار نوکر نوکرانیوں میں گھری ہوئی بیٹھی ہے۔ سر پر تاج پہنے ہوئے ہے۔ شاہی پوشاک اور تاج پہن کر وہ بڑی شان سے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔ ہر دروازے پر برچھا تانے سپاہی پہرے پر کھڑے ہیں۔ بوڑھے نے وہاں جاکر ادب سے بوڑھی مہارانی کو جھک کر سلام کیا۔ اب بڑھیا کا سر اِتنا پھر گیا تھا کہ اپنے جس نیک شوہر کی بدولت اُسے آج مہارانی بننے کا شرف حاصل ہُوا تھا اُس کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بگڑنے لگی۔ اُس نے اپنے پہرے داروں سے کہا:۔

"اس بھک منگے بوڑھے کو دھکے مار کر محل سے باہر نکال دو۔"

بے چارہ بوڑھا پہرہ داروں کے دھکے کھا کر محل کے باہر آکر جھک کر گر پڑا۔ اس کی ٹوپی پیچھے کو لڑھک گئی۔ ایک رحم دل باندی نے وہ ٹوپی اُٹھا کر چپکے سے اُسے دی۔ بے چارا بوڑھا اب گھوڑوں کے اصطبل میں رہنے لگا۔ اُسے اپنی بڑھیا کے غرور پر رہ رہ کر رنج ہوتا۔ جب وہ سُنتا کہ بوڑھی مہارانی اپنے نوکر نوکرانیوں کو ٹھوکروں سے اُڑاتی ہے اور غلطی کرنے پر ہنٹر برساتی ہے تو اُسے اور بھی دُکھ ہوتا۔

ایک دن رات کو سمندر میں بہت طوفان آیا۔ بوڑھی مہارانی اس وقت

سونے جا رہی تھی۔ اُسے سمندر کا گرجنا بالکل پسند نہ آیا۔ کچھ دیر اپنے محل کی کھڑکی میں سے وہ سمندر کی اُچھل کود دیکھتی رہی۔ پھر اُس کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں سمندر کی رانی بن جاؤں تو سمندر کو بھی میرا حکم ماننا پڑے گا۔ پھر وہ اس طرح میرے آگے گرجے گا نہیں۔ سمندر کی رانی بن جانے کے بعد میرا حکم سنہری مچھلی پر بھی چلے گا۔ پھر بھلا۔ مجھ سے بڑھ کر اس دنیا میں اور دوسرا کون ہو سکتا ہے؟

بس دوسرے ہی دن بڑھیا نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس بوڑھے ماہی گیر کو حاضر کرو۔ اُس کے کہنے کی دیر تھی کہ بے رحم جلّاد کی طرح سپاہیوں نے بے چارے بوڑھے کو ننگے سر اور ننگے پاؤں گھسیٹتے ہوئے اس کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ وہ نیک دل بوڑھا اپنے اصطبل ہی میں خوش تھا کیونکہ وہاں وہ چین سے تو رہتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب بوڑھی مہارانی کو اور کس بات کی کمی محسوس ہوئی ہے۔ دنیا کی اور کون سی نعمت ایسی باقی ہے جو اُس کی پہنچ سے باہر ہے۔ اُسے حیرانی ہو رہی تھی کہ اب مہارانی بن کر بھی اس کی کون سی خواہش باقی رہ گئی ہے۔

بوڑھی مہارانی نے بوڑھے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا —" تم اسی وقت سمندر کے کنارے جاؤ اور سنہری مچھلی کو حکم دو کہ میری مہارانی سمندر پر بھی حکومت کرنا چاہتی ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ تم بھی اپنی سکھی سہیلیوں کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہو۔" بوڑھے کو حیرانی سے اپنی طرف تکتے دیکھ کر بڑھیا مہارانی نے ڈپٹ کر کہا۔" جاؤ دیکھ کیا رہے ہو؟ اسی وقت
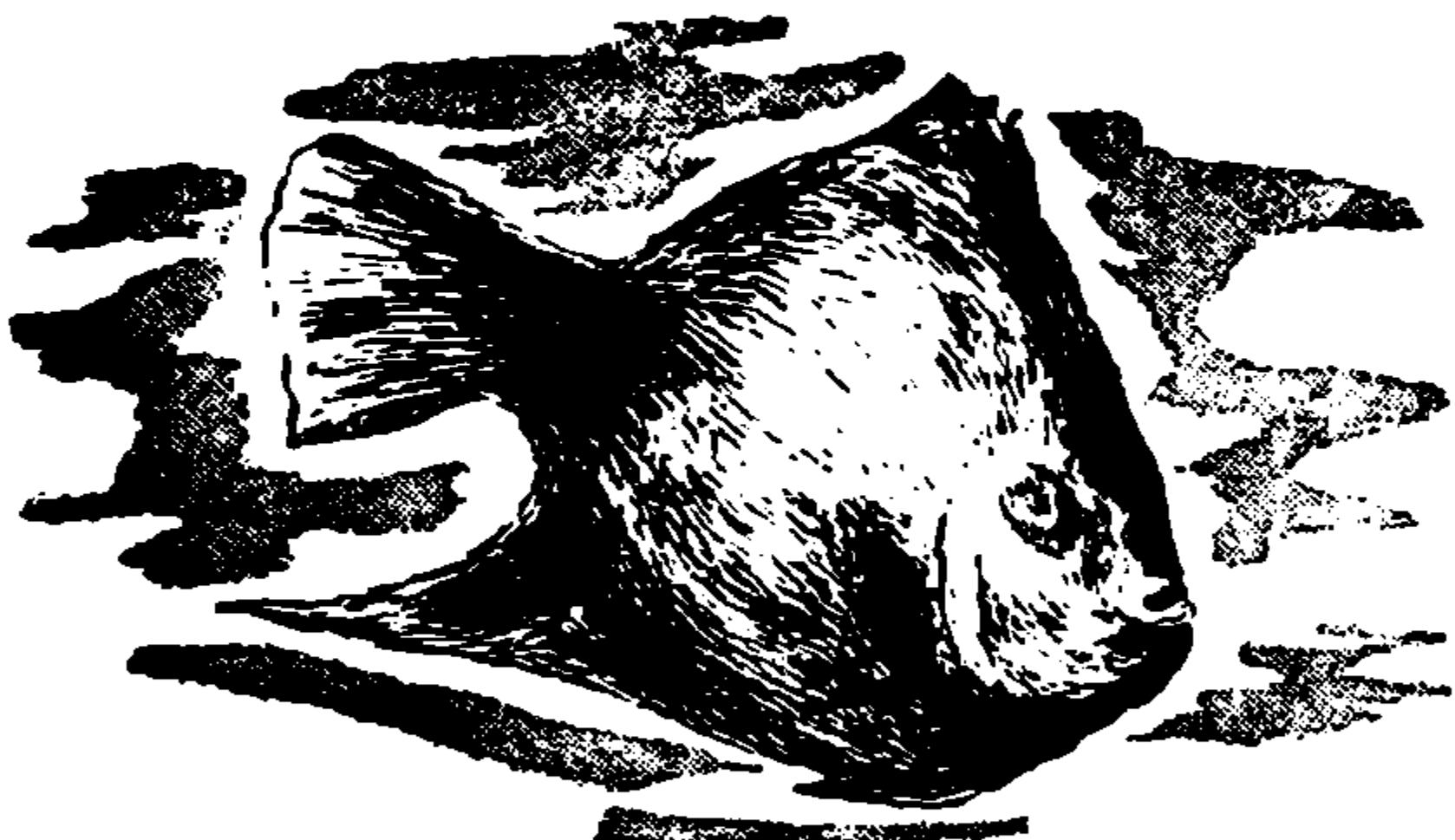
جاؤ۔ میرا حکم ہے تمہیں جانا ہی ہوگا۔"

بے چارہ بوڑھا دُکھی اور غمگین دل سے سمندر کے کنارے آیا۔ اس وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ بجلی کڑک رہی تھی۔ بوڑھے نے ڈرتے ڈرتے جیسے ہی سنہری مچھلی کو پکارا سمندر میں بھاری طوفان اُٹھ کھڑا ہُوا۔ لہروں نے سمندر کی سطح کو تہ و بالا کر دیا موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ بوڑھا اس آندھی طوفان میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بھیانک گڑگڑاہٹ ہوئی اور کالی کالی گرجتی ہوئی لہروں پر چڑھ کر سنہری مچھلی آ پہنچی۔ اس نے ایک راجکماری کی طرح شان سے پوچھا۔

"بوڑھے بابا! اب مہارانی بننے کے بعد بھی کیا تمھاری بڑھیا کی کوئی خواہش باقی رہ گئی ہے۔"

بوڑھے نے زمین پر تین بار جُھک کر سلام کر کے ڈرتے ہوئے اپنی بڑھیا کی غرور بھری خواہش کہہ سنائی۔ یہ سُن کر سمندر غصّے میں آ کر گرجنے لگا۔ لہروں نے گڑگڑاہٹ کی اور سنہری راجکماری تخت کے ساتھ غائب ہو گئی۔

کچھ جواب نہ پا کر بوڑھا چپ چاپ محل کی جانب واپس آیا تو وہاں کے بدلے ہوئے رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ نہ وہاں محل تھا نہ نوکر نوکرانیاں اُن کی جگہ وہی پُرانی جھونپڑی تھی اور وہی ٹوٹی ناند۔ بے صبر بڑھیا بیٹھی اُسی ٹوٹی ناند میں کپڑوں پر صابن لگا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر بوڑھا ماہی گیر ایک فلسفی کی طرح بولا:-

" بے صبر انسان دُنیا میں کبھی سُکھ نہیں پا سکتا۔ غرور کا سر نیچا ہو کر ہی رہتا ہے۔

فرماں بردار بیٹا

اُنجو نام کے ایک گاؤں میں کِم نامی ایک شخص رہتا تھا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا اور دنیا کو سمجھنے بوجھنے لگا کبھی اُس نے پیسہ کمانے کے لئے کوئی کام نہیں کیا۔ اُس کا دن اِدھر اُدھر گپیں ہانکنے یا کھیل کود میں گزرتا۔ ایک وقت ایسا آیا جب اُس کے پاس ایک دمڑی بھی نہ رہی اُس وقت اُس نے گاؤں سے دُور رہنے والے اپنے ایک رشتہ دار کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ وہ رشتہ دار بہت امیر تھا اس سے دو چار ہزار روپے مانگنا آسان تھا۔ کِم بغیر کسی جھجک کے اس کے پاس چلا گیا اور بغیر کسی شرم اور ہچکچاہٹ کے اس نے اپنے امیر رشتہ دار سے دو ہزار روپے مانگے۔ امیر رشتہ دار پر کِم کی زوردار خواہش کا اثر ہوا۔ کِم کی حالت دیکھ کر اسے ترس آیا اور اس نے اس سے ہمدردی ظاہر کی۔ وجہ کچھ بھی ہو اُس امیر نے دو ہزار روپے کِم کو فوراً دے دیئے۔ کِم روپے پاکر دل میں خوش ہوتا ہوا اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا

رستے میں ایک ندی آتی تھی اسے پار کرنا ضروری تھا۔ اس لئے

بکم کشتی کے انتظار میں ندی کے کنارے بیٹھ گیا۔ وہاں اس نے اپنے سامنے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک نوجوان مرد ندی کے کنارے کی چٹان پر کھڑا ہو کر ندی میں کودنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور پاس کھڑی ہوئی ایک نوجوان عورت اس کا کوٹ پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ رہی تھی۔ اس کے بعد وہ نوجوان عورت پانی میں کودنے لگی اور وہ نوجوان مرد اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے روکنے لگا۔ یہ نظارہ دیکھ کر بکم کو بہت حیرانی ہوئی۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ اُس نے چھان بین کی اور معلوم ہُوا کہ وہ نوجوان جہاں کام کرتا تھا وہاں حساب میں کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی اور دو ہزار روپے کی کمی پڑتی تھی۔ اگر فوراً دو ہزار روپے جمع نہ کئے گئے تو نوجوان کے پاس خودکشی کرنے کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے وہ نوجوان ندی میں ڈوبنے لگا تھا مگر اُس کی بیوی اُسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ بیوی یہ دھمکی بھی دے رہی تھی کہ اگر اُس کی بات نہ مانی گئی تو وہ ندی میں، اس سے پہلے کود کر جان گنوا دے گی۔

نوجوان جوڑے کی یہ مصیبت دیکھ کر بکم کا دل پسیج گیا اور وہ اپنا دُکھ بھول گیا اُس نے اپنے پاس کے دو ہزار روپے انھیں دے دیئے اور خود خالی ہاتھ اپنے گاؤں کو چل دیا۔ اُس جوڑے نے اس کا نام اور گاؤں پوچھا لیکن اُس نے اُن کو اپنا پتہ اتنا ہی بتایا کہ انجو کا بکم اس کے سوا اُس نے اور کچھ نہیں بتایا۔

بکم خالی ہاتھ گھر پہنچا اس لئے اس کی غریبی ویسی ہی رہی۔ اس کے

کچھ دن بعد وہ ایک بودھ بھکشو کے پاس آنے جانے لگا ۔ اس سے پڑوسیوں کو شک گزرنے لگا کہ وہ بدھ کا پیرو ہو جائے گا ۔ لیکن اس نے اپنا مذہب نہیں بدلا ہاں اس بھکشو کو اس نے اپنا گورو مان لیا ۔

کچھ برس اور اسی طرح گزر گئے ۔ رکم کو معلوم ہونے لگا کہ اس کا آخری وقت نزدیک آ گیا ہے ۔ اب اس نے اپنے بیٹے کو بلایا اور اسے بتایا کہ اس کے مرنے پر اس کی آخری رسم کس طرح ادا کرنی ہے ۔ اسے بھکشو سے ملنے کی تاکید کی اور کہا کہ اس کی ہدایت کے بغیر اس کے جسم کا کچھ نہ کیا جائے بیٹے کو کڑی ہدایت دے کر رکم نے آخری سانس لی ۔

لڑکا نہایت فرماں بردار تھا ، پھر باپ کی آخری وقت کی ہدایت تھی ۔ اس لئے اس کی خواہش کے مطابق ہی کام کرنے کا اگر اس نے فیصلہ کیا تو یہ کوئی عجیب بات نہ تھی ۔ باپ کے مرنے سے اسے بہت دُکھ ہُوا پھر بھی غم کو دبا کر اس نے اپنے باپ رکم کے مُردہ جسم کو ایک کپڑے میں لپیٹا اس کی گٹھڑی بنا کر کندھے پر رکھ لی اور بودھ بھکشو کی تلاش میں یانگ گین پہاڑی کی چوٹی کی طرف چل دیا ۔ بہت اونچا چڑھنے پر اس کو بھکشو کی کٹیا دکھائی دی ۔ وہ اس بوجھ کو لئے ہوئے بڑی مشکل سے وہاں پہنچا ۔ بھکشو سمادھی لگا کر بیٹھا ہُوا تھا ۔ سمادھی ٹوٹنے پر بھکشو نے لڑکے کو دیکھا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا ۔۔ "اس گھاٹی میں جو اونچی حویلی دکھائی دیتی ہے اس کو گرا کر اس کے نیچے جو سپاٹ زمین نکلے وہاں تیرے باپ کو مٹی دینی چاہیے ۔"

بھکشو کی اس بات سے لڑکا گھبرا گیا اس نے اپنے کندھے کا بوجھ نیچے رکھ دیا اور ماتھے کا پسینہ پونچھنے لگا۔ بھکشو کی بات سن کر اُسے تعجب پہنچی باپ کے بے جان جسم کو اتنی دُور سے ڈھو کر یہاں تک لایا۔ اور ابھی تک یہ پتہ بھی نہیں کہ اس کی آخری رسم کہاں ہوگی۔ وہ جو اونچی عمارت دکھائی دیتی ہے اس کو گرانے کے بعد جو سپاٹ زمین تیار ہوگی، وہاں اس کی سمادھ بنائی جائے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اس عمارت کو خریدا جائے پھر اس کو گرایا جائے۔ یہ سب کھٹ راگ اور اکھاڑ پچھاڑ کس لئے! وہ اپنے دل میں یہ سوچنے لگا کہ بھکشو ہم سے ہنسی ٹھٹھا تو نہیں کر رہا ہے، یہ شک بھی اس کے دل میں پیدا ہُوا۔ بھکشو کے چہرے کی طرف جب اس نے دیکھا تو اُسے ایسی کوئی علامت دکھائی نہیں دی۔

بھکشو اپنی سمادھی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے اشارے سے کہا کہ مُردے کو یہاں چھوڑ کر وہ اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ آہستہ آہستہ اب اندھیرا بڑھ رہا تھا جب وہ دونوں اس خاص حویلی کے نزدیک پہنچے تو کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔

حویلی کی چار دیواری بہت اونچی نہیں تھی بھکشو نے اس لڑکے سے کہا کہ وہ اس کی پیٹھ پر چڑھ جائے اور دیکھے کہ دوسری طرف کیا ہے۔ بھکشو کی اس بات سے لڑکے کو حیرانی ہوئی کیونکہ کوریا میں یہ مانا جاتا ہے کہ دیوار کے پیچھے دیکھنے کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ لڑکے کو

وہاں اس نے اپنے سامنے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک نوجوان ندی کے کنارے کی چٹان پر کھڑا ہو کر ندی میں کودنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور پاس کھڑی ہوئی ایک نوجوان عورت اس کا کوٹ پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ رہی تھی۔

اس کا جلد ہی تجربہ ہوا بھکشو کی پیٹھ پر چڑھ کر جب اُس نے دیوار کی دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی تو بھکشو نے اُسے اتنے زور کا دھکا دیا کہ وہ دوسری طرف کی جھاڑیوں میں سر کے بل گرا۔ سر نیچے اور پاؤں اوپر۔ یہ اس کا حال تھا۔ اس حال میں ہر شخص اُسے پور سمجھ سکتا تھا اور اُسے اپنی مرضی کے مطابق پیٹ سکتا تھا۔

وہاں پڑے پڑے اس نے اس گھر کی طرف دیکھا۔ اس کو دکھائی دیا کہ دروازے سے ایک عورت باہر آ رہی ہے وہ آگے آئی اور چبوترے پر آ کر بیٹھ گئی۔

اس سمادھی کے سامنے اس نے ہاتھ جوڑے اور کچھ دعا مانگنے لگی آہستہ آہستہ اُس کی آواز اونچی ہوتی گئی۔ وہ عورت کہہ رہی تھی :-

"اے بھگوان! جس دیوتا جیسے انسان نے میرا اور میرے شوہر کا بھلا کیا ہے اس کا دیدار کرا دے اس آدمی کا نام گم ہے۔"

یہ سُن کر وہ نوجوان جھٹ پٹ اپنے کپڑے جھاڑ کر اُٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنے باپ کے بارے میں یہ بات سُن رکھی تھی۔ آس پاس اگرچہ اندھیرا تھا پھر بھی اس کے سر پر روشنی پڑ رہی تھی۔ اسے اُٹھنے کی کوشش کرتے دیکھ کر گھر کے نوکروں نے جھٹ پکڑ لیا اور گھر کے مالک کے سامنے لے گئے۔ اس نے پوچھا :-

"کیا ہے؟ تو کون ہے؟ یہاں کیا کرتا تھا؟"

"میں اُجو کا گم ہوں اپنے مُردہ باپ کی آخری رسم ادا کرنے کے

سنہاسی توتے پر بھکشو نے لڑکے کو دیکھا اور اس سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اس گھاٹی میں جو اونچی چوٹی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے نیچے جو سپاٹ زمین ہے وہاں تیرے باپ کو مٹی دینی چاہیئے۔"

لئے یانگ گین آیا تھا۔"

"کیا کہا ؟ اَنجُو کا بِم ! جس نے ہمیں نجات دلائی اور دوسری زندگی دی ۔ اوہ ! تُو بِم سے مِلتا جُلتا دکھائی دیتا ہے ۔ تو اس کا لڑکا تو نہیں ہے ؟"

"ہاں ہاں میں اس کا لڑکا ہوں ۔"

مالک نے کہا ۔ " بھگوان ! تیرا لاکھ لاکھ شکریہ ! اتنے دنوں سے جسے ڈھونڈ رہے تھے وہ آخرکار آج مل ہی گیا ۔ نوجوان ! تُو ہمارے لئے ہمارے بیٹے کے برابر ہے ۔ تیرے باپ کی مہربانی سے ہم برابر خوش حال ہوتے گئے اور یہ شان و شوکت اسی کی مہربانی کا پھل ہے ۔ اپنی جائداد کا آدھا حصہ ہم نے تیرے لئے پہلے سے الگ کر رکھا ہے ۔ "

شکرگزاری سے اس کا دل بھر آیا ۔ وہ کچھ بول نہ سکا ۔ اپنے باپ کی نیکی کی بدولت آج اس کی سب مصیبتوں کا خاتمہ ہو گیا ۔

ٹومزی موتو

جاپان کی لوک کہانی

سمندر کا کھاری پانی

پُرانے زمانے کی بات ہے ایک گاؤں میں دو بھائی رہتے تھے۔ بڑا بھائی تو امیر تھا لیکن چھوٹا بھائی تھا کنگال۔ ایک دفعہ نئے سال کے دن

وہ بولا — "مہربانی کرکے یہ مال پو، مجھے دے دیجئے۔ اس کے بدلے میں، میں آپ کو بہت سے تو ہرشے دوں گا۔"

جب کہ سارا شہر جشن کی تیاری کر رہا تھا اُس چھوٹے بھائی کے گھر کھانے کو چاول نہ تھے۔ وہ اپنے بڑے بھائی سے ایک سیر چاول اُدھار مانگنے کے لیئے گیا لیکن اُس نے اُسے ٹکا سا جواب دے دیا جب وہ نا امید ہو کر واپس آ رہا تھا تو اُسے راستے میں لکڑی کا بھاری گٹھا اُٹھائے ہوئے ایک بوڑھا ملا۔ بوڑھے نے اس سے پوچھا:

"تم کہاں جا رہے ہو؟ معلوم ہوتا ہے تم کسی مصیبت میں پڑے ہوئے ہو؟"

چھوٹے بھائی نے اُسے اپنی مصیبت کی ساری کہانی سُنا دی بوڑھے نے اُسے حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لکڑی کے اس گٹھے کو میرے گھر تک پہنچا دو تو میں تمھیں ایک ایسی چیز دوں گا جس کی مدد سے تم مالا مال ہو جاؤگے۔"

چھوٹا بھائی بہت رحمدل تھا اس نے لکڑی کا گٹھا سر پر رکھ لیا اور بوڑھے کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

گھر پہنچ کر بوڑھے نے اُسے ایک مال پُوا دیا اور کہا۔ "اس کو لےکر تم مندر کے پیچھے جو جنگل ہے وہاں جاؤ وہاں ایک بل ہے جس میں بہت سے بونے رہتے ہیں اُن بونوں کو یہ مال پوئے بہت پسند ہیں وہ کسی بھی قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہیں گے۔ اس وقت اس کے بدلے میں تم دھن دولت نہ مانگنا بلکہ پتھر کی ایک چکّی مانگ لینا۔ بعد میں تمھیں اس چکّی کی کرامات معلوم ہو جائےگی

بڑھے سے رخصت ہو کر چھوٹا بھائی اس جنگل میں آیا۔ منڈر سے کچھ دور اُسے ایک بل میں سے بہت سے بونے نکلتے اور اندر جاتے نظر آئے۔ وہ ایک درخت کو کھینچ کر اپنے بل تک لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ اُن کے لئے بہت مشکل کام تھا۔

چھوٹے بھائی نے کہا۔ "اچھا میں تمھارے لئے یہ درخت بل تک لے چلتا ہوں" بل کے پاس آکر اُسے ایک مہین سی آواز سنائی دی "مجھے بچایئے میں مر جاؤں گا۔" یہ سُن کر چھوٹے بھائی نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ اس کے پاؤں کی اُنگلیوں کے بیچ میں ایک ننّھا سا بونا بھینچا جا رہا تھا اس نے اُس بونے کو جھٹ سے اُٹھا لیا۔ اصل میں یہ بونوں کا راجکمار تھا۔

بونوں کے راجکمار کی نظر جب مال پوئے پر گئی تو وہ بولا: "مہربانی کرکے یہ مال پوا مجھے دے دیجئے اس کے بدلے میں آپ کو بہت سے جواہرات دوں گا۔" لیکن چھوٹے بھائی کو بوڑھے کی بات یاد تھی۔ اس نے مال پوئے کے بدلے میں پتھر کی چکّی مانگی۔ آخرکار بونے راجکمار کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے راجہ نے چکّی دینا منظور کر لیا۔ جب چکّی لے کر چھوٹا بھائی چلنے لگا تو بونے راجہ نے کہا: "دیکھو بھائی یہ ہمارے راج کی سب سے قیمتی چیز ہے اس کا استعمال سوچ سمجھ کر کرنا۔ تم اس چکّی کو داہنی طرف سے چکّر دے کر جو چیز مانگوگے وہ اس میں سے نکلنی شروع ہو جائے گی اور جب تک اسے بائیں طرف سے چکّر نہیں دوگے

وہ چیز نکلتی ہی جائے گی۔"

چھوٹا بھائی پتھر کی چکی لے کر گھر آیا۔ اس کی بیوی اپنے شوہر کے انتظار میں بھوکی پیاسی بیٹھی ہوئی تھی۔ شوہر کو خالی ہاتھ آتے دیکھ کر وہ بہت ناامید ہوئی۔ مگر چھوٹے بھائی نے آتے ہی کہا۔"جلدی سے فرش پر چٹائی بچھاؤ۔"

چٹائی پر چکی رکھ کر چھوٹے بھائی نے اُسے داہنی طرف سے گھما کر کہا "چاول نکلو" بس اتنا کہنا تھا کہ چاولوں کے ڈھیر لگ گئے۔ پھر وہ بولا "مچھلی نکلو" اب مچھلی نکلنا شروع ہو گئی۔ اس طرح اُس کو جن جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ سب اُس نے چکی سے حاصل کر لیں۔

پھر اُسے خیال آیا کہ اب تو میں امیر آدمی ہوں مجھے تو عالیشان مکان میں رہنا چاہیئے۔ اس لئے اس نے چکی کو گھما کر نیا مکان اصطبل، گودام غرض یہ کہ شان و شوکت کی سب چیزیں مانگ لیں۔ پھر اُس نے اپنے اڑوس پڑوس کے سب لوگوں کو دعوت دی۔ اس طرح اس نے نئے سال کا جشن خوب دھوم دھام سے منایا۔

یہ دیکھ کر بڑا بھائی سوچنے لگا کہ میرا چھوٹا بھائی ایک رات میں لکھ پتی کیوں کر بن گیا؟ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ وہ چھپ کر دروازے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے دیکھا کہ چھوٹا بھائی ایک چکی کو گھما کر مٹھائی کے ٹوکروں کے ٹوکرے بھر رہا ہے اور انھیں مہمانوں کو دے رہا ہے۔ بڑے بھائی نے ارادہ کر لیا کہ میں کسی نہ کسی طرح

اس چکی کو ضرور حاصل کروں گا۔

رات کو جب سب سو رہے تھے وہ اپنے بھائی کے گھر پچھواڑے سے گھسا اور چکی اٹھا لایا۔ چکی کو لے کر وہ ایک کشتی میں سوار ہو گیا اور ارادہ کیا کہ کسی الگ جزیرے میں اسے لے جاؤں اور دھنی ہو جاؤں۔ ہُوا ایسا کہ اپنی کشتی میں ضرورت کی اور سب چیزیں تو وہ لے آیا تھا مگر نمک لانا بھول گیا تھا۔ اس نے چکی چلا کر کہا:
"نمک نکلو، نمک نکلو!"
کہنے کی دیر تھی کہ چکی میں سے ڈھیروں نمک نکلنا شروع ہو گیا

نتیجہ یہ ہُوا کہ نمک کے بوجھ سے بڑا بھائی کشتی سمیت سمندر میں ڈوب گیا۔

بڑے بھائی کو چکی روکنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ نمک کے بوجھ سے بڑا بھائی کی کشتی سمندر میں ڈوب گئی۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ تب سے وہ چکی سمندر میں برابر چل رہی ہے اور اس کے نمک سے سمندر کا سارا جل کھاری ہو رہا ہے۔

"میں سب جانوروں اور پرندوں کو — چاہے وہ چوپائے ہوں یا دو پاؤں والے، نچلے طبقے کے ہوں یا اونچے طبقے کے، چھوٹے ہوں یا بڑے — حکم دیتا ہوں کہ آئندہ وہ سب مرغی جیسے ہی انڈے دیں —"

ایک جرمن کہانی

ہیادیو کرمارکر

مرغی کے انڈے

ایک بار ایسا ہوا کہ سب جانوروں نے گدھے کو اپنا راجہ بنایا
گدھے کے وزیروں کی مجلس میں بندر ہوا وزیراعظم اور بیل بن گیا
وزیرِ جنگ جس سے اس کے سب رشتے دار اُس کے مددگار بن کر

بڑے بڑے عہدوں پر کام کرنے لگے۔ مرغا گدھے مہاراج کا ذاتی صلاح کار بن گیا اور سب مرغے جو اُس کی برادری میں تھے مختلف دفتروں کے بڑے بڑے افسر بنا دئے گئے۔ گدھے کو مرغیاں بہت پسند تھیں کیونکہ وہ بہت خوبصورت گول گول انڈے دیتی تھیں بہت دل کش۔ بہت چھوٹے بھی نہیں جو دکھائی ہی نہ دیں اور بہت بڑے بھی نہیں جنھیں دیکھنے کی خواہش ہی نہ ہو۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اُن سے جو چھوٹی چھوٹی مرغیاں باہر آتی تھیں وہ بھی بہت پیاری اور نرم نرم۔ جب گدھے مہاراج نے دیکھا کہ اب وہ سب سے طاقتور اور زبردست بادشاہ بن گئے ہیں تو انھوں نے سوچا کہ سلطنت بھر میں ایکتا اور برابری لائی جائے جس سے سب کے خیالات، سب کی زبان اور سب کا رہن سہن ایک سا ہو جائے۔

یہ سوچ کر مہاراج نے ایک بڑا دربار کیا اس میں سب جانوروں اور پرندوں کو بلایا گیا۔ دربار میں بڑے ٹھاٹھ سے گدھے صاحب تشریف لائے۔ بیل جی، جناب بندر اور مرغا صاحب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔ دربار کا کام کاج شروع ہوا۔ مہاراج نے اپنی تقریر میں سلطنت بھر کے باشندوں میں ایکتا اور برابری بنائے رکھنے پر زور دیا۔ سب جانوروں نے راجہ کی باتیں سنیں اور ان کی ہاں میں ہاں ملا کر پُرجوش نعروں میں اپنے جذبے کو بھی ظاہر کیا۔ گدھے مہاراج نے ساری رعایا کی تعریف کی اور کہا "بہادرو! آپ کی ایکتا پر مجھے بہت ناز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے

برتاؤ سے، اپنی چال ڈھال میں ایکتا ہی سے کام لیں گے۔ ساتھ ساتھ میں اس نتیجے پر بھی پہنچا ہوں کہ نئی نسل کی نئی تعمیر انوکھے ڈھنگ سے کی جائے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہماری اگلی نسل کی ایک جیسی چال ڈھال کی ہو جس سے ملک میں کبھی جھگڑا فساد نہ ہو اور سب سکھ چین سے مل جل کر رہیں۔ آپ کو میری سب باتیں پسند ہیں اس لئے میں بہت خوش ہوں۔ سب جانوروں کو چاہیئے کہ آئندہ ایک جیسی اولاد پیدا کریں۔ بھلا مرغے جیسی بھولی بھالی پیاری اور نیک ذات دوسری کون سی ہے؟ ہماری اگلی نسل اُن جیسی ہو جائے تو ایکتا اور برابری کا پورے طور پر بول بالا ہو سکے گا۔ اس لئے مہاراج کی حیثیت سے میں سب جانوروں اور پرندوں کو — چاہے وہ چوپائے ہوں یا دو پاؤں والے، نچلے طبقے کے ہوں یا اُونچے طبقے کے، چھوٹے ہوں یا بڑے — حکم دیتا ہوں کہ آئندہ سب مُرغی جیسے ہی انڈے دیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس حکم پر پوری طرح عمل کریں گے۔"

مہاراج کے اس بلند اعلان کو سب نے سُنا لیکن وہاں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ چونکہ سب طرف سپہ سالار بیل صاحب کی فوج بھی کھڑی تھی۔ ان کے سینگ مخالفت کرنے والوں کو موت کی سزا دینے کے لئے تیار تھے اس لئے کسی کو ظاہرا طور پر اس حکم کی مخالفت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا مگر ایک نے اپنی ذرا سی مخالفت ظاہر کرنے کو مُنہ کھولا اور وہ تھی ایک چھوٹی سی چڑیا۔ اُس نے اپنی ہلکی سی آواز میں کہا۔"مہاراج

آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن ایک عرض ہے کہ آپ اپنے سپہ سالار اور اُن کے سب بھائیوں کو پہلے حکم دیجئے کہ وہ آپ کے اس قانون پر عمل کریں اور سب کے سامنے مثال پیش کریں۔''

اس بے چاری چڑیا کو پکڑ کر سامنے لایا گیا۔ اس کا انصاف کرنے کے لئے بڑے منصف مقرّر ہوئے انھوں نے ایک رائے سے فیصلہ دیا کہ بیلوں کی جماعت کو انڈے دینے کی شرط سے بری کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس چڑیا کو راجہ کی بے عزّتی کرنے کے بھاری جرم میں موت کی سزا دی جاتی ہے بس اُسے مار ڈالا گیا اور پھر کوئی مخالف آواز نہ اُٹھی۔

اس واقعہ سے مہاراج خوش ہو گئے انھوں نے اپنے وزیروں کی مجلس سے صلاح مشورہ کرکے یہ اعلان کیا کہ ملک کے سب باشندوں کو آزادی حاصل کرنے کے دن، بڑے جشن میں شامل ہونا چاہیئے اور بھرے دربار میں حاضر ہو کر سب کو قسم کھانی چاہیئے کہ وہ پوری ایکتا کے لئے دل و جان سے کوشش کریں گے اور آگے چل کر مرغی جیسے ہی انڈے دیں گے۔

آزادی حاصل کرنے کا بڑا جشن شروع ہُوا اور راجہ کے حکم کے مطابق سب دربار میں پہنچ گئے۔ وہاں شیر اور چیتے آئے کتے اور بکریاں پہنچ گئیں سوّر اور بھیڑیں نیز بگلے اور نیل کنٹھ بھی آ پہنچے۔ اور سب کے حاکم گدھے مہاراج بھی اپنے اونچے "تخت" پر آ براجے۔ راجہ کے داہنی طرف سپہ سالار بیل جی اپنی گردن جھکائے اور سینگ دکھاتے ہوئے بیٹھے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں بھیانک رعب تھا۔ بائیں جانب بندر صاحب تھے۔ جن کے

سینے پر سونے کا بڑا تمغہ سج رہا تھا۔ اپنے ہاتھ میں ایک لمبی فہرست
لے کر وہ ایک ایک نام پکارتے جاتے تھے۔

شروع میں شیر کا نام پکارا گیا۔ وہ دھیمی چال سے تخت
کے پاس پہنچا۔ اس کی آواز گویا حلق سے باہر نہیں نکل رہی تھی
کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا "مہاراج! مہربانی کرکے مجھے کچھ وقت سوچنے
کے لئے دیجئے۔" بادشاہ نے سر ہلا کر خاموش رضامندی دی۔ اور
شیر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی بلا کچھ دیر کے لئے ٹال دی۔
اس کے بعد کتا سامنے آیا۔ اُس نے کہا

"مہربان مہاراج! مالک! کیا مرغی کے انڈے اور کیا راج ہنس کے۔
میرے لئے دونوں ایک ہی ہیں۔ آگے چل کر میں مُرغی جیسے ہی انڈے
دوں گا۔ جے مہاراج کی!"

سپہ سالار بیل نے اپنی رضامندی سر ہلا کر دے دی۔ بادشاہ
بھی اس بات سے خوش ہوا اور اس نے اپنے لمبے کان ٹھاٹھ سے
ہلائے۔ اس کے بعد کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ خرگوش، بکرے، بھیڑیں
اونٹ سب باری باری سے حاضر ہوئے اور سب نے کتے کی مثال
سامنے رکھ کر ہاں میں ہاں ملائی۔ سب نے قسم کھائی کہ آئندہ وہ
سب مُرغی جیسے ہی انڈے دیں گے۔

گیدڑ کی بھی باری آئی اس نے بہت جُھک کر مہاراج کو
پرنام کیا جس سے اُس کا سر زمین سے لگ گیا۔ اس نے کہا۔ "آپ کے

حکم کی تعمیل میں میری عزت اور خوشی ہے - کیونکہ میرے گھر میں سب گول مٹول انڈوں سے ہی بھرے ہیں " اس کے بعد بھیڑیے نے بھی یہی کہا - لیکن شاید اُسے خود سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے کیا کہا - خیر - اس کے بعد پرندوں کی باری آئی - انھوں نے ضرور اس حکم کی ہلکی سی مخالفت کی کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ پروں کے زور سے اُڑ سکتے ہیں -

" مہاراج ! آپ چاہتے ہیں کہ ...." کبوتر نے کہا - "....ہم مُرغی جیسے ہی انڈے دیں - خیر ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے -" لیکن راج ہنس کو ذرا غصہ آیا - اس نے کہا - "مرغی جیسے انڈے ؟ کیا مطلب ؟ .... وہ بھی کوئی انڈے ہیں ؟ .... انڈے تو ......" اس پر بیلوں نے اپنی لال آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے سینگوں کو آگے کرکے اس کی جانب دوڑے - تب اس نے فوراً معافی مانگی اور کہا - " نہیں ہم مخالفت کرنا نہیں چاہتے - پوری کوشش کریں گے کہ مرغی جیسے ہی ہمارے انڈے نکلیں -"

اب نیل کنٹھ پرندے کو بلایا گیا - بندر نے اُسے حکم سنایا اور کہا - " تم اب مُرغی جیسے انڈے دینے کی قسم کھاؤ -" اس نے ایک بار سب کی جانب دیکھا اور پھر اپنے لمبے چوڑے پر ہلائے - یہ دیکھ کر کچھ دھڑکن پیدا ہوئی - نیل کنٹھ نے اپنی گردن اُٹھائی اور سر اُونچا کیا - اس کی آنکھیں گویا آگ اُگلنے لگیں - " بالکل نہیں یہ نہیں ہو

سکتا۔" اس نے اپنی تیز آواز میں کہا۔ "یہ ہماری نسل کی فطرت کے خلاف ہے۔ ہماری نسل اور مرغی کے انڈے دے؟ ناممکن۔ یہ ہماری نسل کی بے عزتی ہے!"

یہ کہہ کر حقارت بھری نظروں سے اُس نے سامنے دیکھا۔ اپنے لمبے چوڑے پروں کو پھیلایا اور اسی وقت آسمان میں اُڑ گیا۔ اتنی اونچائی پر کہ اس پہاڑ جیسے جسم والے کا کوئی پیچھا نہ کر سکا۔ سب نے اوپر دیکھا۔ گویا ایک بہت بڑا پہاڑ ہی آسمان میں تیر رہا تھا۔ اس کے پر سورج کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ گدھے مہاراج نے یہ دیکھا

شیر گدھے مہاراج پر جھپٹا اور اس نے اپنے پنجوں اور دانتوں سے اُسے چیر کر مار ڈالا۔

اور اُن کے دل میں ڈر پیدا ہو گیا۔

اتنے میں شیر نے دھاڑ کر کہا۔ "نیل کنٹھ سچ کہتا ہے۔ مرغی جیسے انڈے دینا ہماری شان کے خلاف ہے۔" یہ کہہ کر وہ گدھے جہاراج پر جھپٹ پڑا اور اس نے اپنے تیز پنجوں اور دانتوں سے اُسے چیر کر مار ڈالا بیلوں کی ساری فوج اس کے سامنے چوں نہ کر سکی۔ کیونکہ وہ آخر بیل ہی تو تھے۔ اس وقت سے شیر جانوروں کا راجہ بنا۔

افریقی لوک کہانی — ساوتری دیوی ورما

جنگل کا قانون

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ افریقہ کے ایک جنگل میں ایک قدیم باشندہ ٹکویو رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ جنگل میں شکار کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ اُسے دُور سے ایک ہاتھی دکھائی دیا۔ اس نے سوچا شاید اس کے پیچھے پیچھے اس کے گروہ کے دوسرے ہاتھی بھی ہوں گے لیکن اُسے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ وہ ہاتھی اکیلا ہی تھا۔ ٹکویو نے سوچا ضرور یہ ہاتھی کسی مصیبت میں ہے۔ چلوں ذرا پوچھوں اسے کیا دُکھ ہے؟

ہاتھی کے پاس جا کر ٹکویو نے پوچھا۔ "سلام ہاتھی صاحب! تم کچھ اداس سے دکھائی دیتے ہو۔ کیا بات ہے؟"

ہاتھی بولا۔ "کیا بتاؤں بھائی ٹکویو میں تو بڑی مصیبت میں ہوں۔ میری خوراک بہت ہے۔ اپنے قبضہ میں رہ کر میں اپنی مرضی نہیں چلا سکتا۔ اسی وجہ سے میری اپنے گروہ والوں سے ان بن ہو گئی ہے اور میں انھیں چھوڑ کر روزی کی تلاش میں پردیس چلا آیا ہوں۔"

ٹکویو نے پوچھا۔ "مگر یہ تو کوئی عقل مندی کی بات نہیں کہ

اپنی بستی چھوڑ کے یہاں آ گئے، اکیلے کس کے سہارے رہوگے؟"
ہاتھی کو اب اپنی غلطی سمجھ میں آئی مگر وہ تھا بہت چالاک
فوراً خوشامد کے ڈھنگ سے بولا۔ "بھیا اکیلا کیوں ہوں تم جو ہو۔
اچھا بھائی! آج سے ہم تم دونوں دوست ہوئے میں تمہارے لئے بہت
سے پھل توڑ کر لایا کروں گا اور اسی جنگل میں تمہارے زیرِ سایہ پڑا
رہوں گا۔"

بھولا گگو یو اس کی باتوں میں آ گیا۔ کچھ دن بعد ہاتھی کو راجہ شیر
نے اپنے ہاں جنگل کے محکمہ کا وزیر مقرر کر دیا۔ اب تو ہاتھی کی شان
کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔

گگو یو ہاتھی کو کبھی کبھی اپنے ساتھ ندی پر نہلانے لے جایا کرتا
ہاتھی پانی میں لیٹ جاتا اور گگو مدو اس کی پیٹھ مل دیتا۔ اس سے ہاتھی کو
بہت سکھ ملتا۔ رفتہ رفتہ ہاتھی آرام طلب بن گیا۔ جس دن زیادہ گرمی
ہوتی اور گگو یو تپش کے مارے ہاتھی کو تالاب پر نہ لے جا سکتا۔ تو
ہاتھی اس کی جھونپڑی کے آگے دھول میں لوٹنے لگتا اور اپنی سونڈ
میں دھول بھر بھر کر اپنے جسم پر اڑاتا۔ ہاتھی کے اس غسل سے گگو یو
کو بہت تکلیف ہوتی۔ دھول کے ذرّے ہوا میں بھر جاتے تو اُسے
سانس لینے میں بھی مشکل ہوتی۔ اس کے گھنگھریالے بال دھول سے
لت پت ہو جاتے۔ پھر بھی جب تک وہ ہاتھی کو ندی پر نہلانے کے لئے
اُٹھ کھڑا نہ ہوتا ہاتھی دھول اڑاتا ہی رہتا۔

اس طرح ہاتھی کی شرارت روز بروز بڑھتی گئی مگر ٹکو ٹو دوستی کے لحاظ سے چپ رہ جاتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے کہ جنگل میں بہت آندھی آئی۔ جب آندھی کا زور کم ہوا تو بڑے بڑے اولے پڑنے لگے اور پھر موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ ان سب سے پریشان ہو کر ہاتھی ٹکو ٹو کے دروازے پر آیا اور التجا کرنے لگا۔ "بچاؤ دوست! میں تو اس آندھی طوفان میں مر جاؤں گا۔ مہربانی کر کے اپنی جھونپڑی میں مجھے اتنی جگہ تو دے دو کہ میں اپنی نازک سونڈ کو بوچھاڑ سے بچا سکوں"

ہاتھی نے التجا کی۔ بچاؤ دوست! میں تو اس آندھی طوفان میں مر جاؤں گا۔ مہربانی کر کے اپنی جھونپڑی میں مجھے اتنی جگہ دے دو کہ میں اپنی نازک سونڈ کو بوچھاڑوں سے بچا سکوں"

ٹکو ٹو کو رحم آ گیا وہ بولا — "ہاتھی جی! میری جھونپڑی تو بہت چھوٹی ہے مگر خیر اتنی جگہ کسی طرح کئے دیتا ہوں جس میں تمھاری سونڈ سما سکے۔ اچھا ذرا آہستہ سے اپنی سونڈ اندر ڈالنا۔"

ہاتھی نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ بھائی میں کسی نہ کسی دن تو ضرور ہی تمہاری اس نیکی کا بدلہ چکاؤں گا۔"
سونڈ اندر کرکے ہاتھی نے محسوس کیا کہ جھونپڑی میں تو بڑا بچاؤ ہے پس اس نے آہستہ سے اپنا سر بھی اندر کر لیا اور آہستہ آہستہ کھسکتے کھسکتے وہ پورے طور پہ جھونپڑی میں گھس آیا۔ بگو یو نے یہ دیکھا مگر کچھ بولا نہیں وہ دل ہی دل میں "سوچنے لگا کہ اسی کو کہتے ہیں انگلی پکڑ کر پہنچا پکڑنا۔ اس ہاتھی نے تو ساری جھونپڑی ہی سنبھال لی ہے۔ اب اس سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں۔
بگو یو اسی سوچ بچار میں تھا کہ وہ ناشکرا ہاتھی بولا ——
" دوست تمہارا جسم تو مضبوط ہے۔ تم دھوپ چھاؤں سب سہہ سکتے ہو۔ مگر اس موسلا دھار بارش میں میری نرم جلد تو خراب ہو جائے گی۔ اس چھوٹی سی جھونپڑی میں ہم دو کے لئے جگہ نہیں ہے۔ اس لئے تم تو جاؤ باہر اور اب میں اس جھونپڑی میں رہوں گا۔"
بگو یو کو ہاتھی کی یہ کھری کھری باتیں سن کر بہت دکھ ہوا وہ اپنی جھونپڑی چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے اس نے ہاتھی کو پہلے تو سمجھانا بجھانا چاہا مگر بعد میں معاملہ بڑھ گیا۔ اب پانی کچھ تھم گیا تھا۔ اس لئے تماشا دیکھنے کے ارادے سے اڑوس پڑوس کے جانور جھونپڑی کے آس پاس اکٹھے ہو گئے۔ جب دونوں کی بحث زوروں پر تھی تو جنگل کا راجہ شیر گرجتا ہوا وہاں آیا

اور آنکھیں لال کر کے بولا —" تم لوگوں نے یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے
یہاں ؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں اس جنگل کا راجہ ہوں۔ میرے
راج میں یہ سب گڑ بڑ مچانے کی تم لوگوں نے کیوں کر ہمت کی ؟"
پھر ہاتھی کو دیکھ کر حیرانی سے بولا۔ " وزیر صاحب! تم کس طرح اس جھگڑے
میں پھنس گئے ؟"

اپنے راجہ کے سامنے سونڈ سے تین بار فرشی سلام کرنے کے
بعد ہاتھی ادب سے بولا۔ "مہاراج کی جے ہو، مائی باپ! گڑ بڑ
مچانے کی گستاخی بھلا میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ میں تو اپنے اس
دوست سے فقط اس جھونپڑی کے بارے میں فیصلہ کر رہا ہوں۔
حضور بھی دیکھ رہے ہیں کہ میں اس جھونپڑی میں رہتا ہوں اور
اس پر میرا ہی حق ہونا چاہیئے۔"

اس کے بعد ککّو ملو کی ساری بات سن کر راجہ شیر نے
سنجیدگی کے ساتھ ہاتھی سے کہا۔ "دیکھو، اپنے وزیروں کو میرا یہ
حکم ہے کہ وہ جلد ہی پنچوں کو اکٹھا کریں۔ اب وہ اس معاملے کی
جانچ کریں گے اور سب بات کا پتہ لگائیں گے" پھر راجہ شیر ککّو ملو
سے بولا —" تم عقل مند معلوم ہوتے ہو۔ جو میری رعایا سے خاص
طور پر میرے ایک وزیر ہاتھی سے تم نے دوستی کی ہے۔ اب تم
گھبراؤ نہیں تمھاری جھونپڑی کہیں نہیں جاتی۔ میری شاہی پنچایت
کے اجلاس تک انتظار کرو۔ ان کے آگے تمھیں اپنے حق کو

ثابت کرنے کا موقع دیا جائے گا اور مجھے پوری اُمید ہے کہ پنچوں کے فیصلے سے تمہیں پوری تسلی ہوگی۔"

بے چارہ بھولا کگو یوُ جنگل کے راجہ کی تسلی آمیز باتوں سے بہت خوش ہُوا۔ اُسے پورا بھروسہ ہو گیا کہ پنچ انصاف کی بات کہیں گے۔ اور میری جھونپڑی مجھے مل جائے گی۔'

اِدھر وزیر صاحب جناب ہاتھی دوسرے وزیروں کی مدد سے پنچ

بشنو: نجی بولا—
دوست تمہارا جسم تو
مضبوط ہے۔ تم دھوپ
چھاؤں سب سہ سکتے ہو
مگر اس موسلا دھار بارش
میں میری نرم جلد تو خراب
ہو جائے گی۔ اس چھوٹی سی
جھونپڑی میں تم دو کے لئے
جگہ نہیں ہے۔ اس لئے تم تو
جاؤ باہر اور اب میں
اس جھونپڑی میں
رہوں گا۔"

کے چناؤ میں لگ گئے۔ لومڑی صاحبہ پنچوں کی صدر چنی گئیں۔ تیندوا صاحب اس کے سکرٹری چنے گئے۔ جنگل کے دوسرے تجربہ کار بزرگ جیسے بارہ سنگا، بھینسا جی، گینڈا جی وغیرہ بھی ممبر تھے۔

ان سب ممبروں کو دیکھ کر بگلو یو نے غور کیا کہ پنچوں میں ہماری قوم کا کوئی نمائندہ نہیں ہے ایسی صورت میں میرے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔

اس پر بگلو یو سے یہ کہا گیا کہ اس کی قوم میں ایسا کوئی بھی شخص نہیں ہے جو جنگل کے قانون کو ٹھیک طرح جانتا ہو۔ پھر اس پنچایت میں سب ممبر باعزت، تجربہ کار اور انصاف پسند جانور ہیں۔ بھگوان کی طرف سے ہی وہ جنگل کے حاکم چنے گئے ہیں۔ اس لئے ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں۔ یقین رکھو تمام معاملے کی جانچ بے لاگ طور پر ہوگی۔

پنچوں نے پہلے ہاتھی کو اپنا بیان دینے کے لئے بلایا۔ ہاتھی صاحب شان سے جھومتے ہوئے اپنی سونڈ میں پھولوں کے ایک گچھے کو مورچھل کی طرح جھلتے ہوئے آگے آئے۔ اور بڑی شان اور ادا کے ساتھ گردن کچھ ٹیڑھی سی کر کے بگلو یو پر ایک ترچھی نظر ڈال کر پنچوں سے بولے۔ " بھائی پنچو! میں بے فائدہ آپ لوگوں کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے مختصر

طور پر جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ میرے اس دوست گڈو نے مجھے اپنی جھونپڑی کی حفاظت کے لئے بلایا تھا۔ کیونکہ بات یہ تھی کہ اُس طوفانی رات کو اس کی جھونپڑی کی خالی جگہ میں طوفان گھس بیٹھا تھا۔ اگر میں اُس کی حفاظت کے لئے نہ پہنچتا تو وہ جھونپڑی کو اُڑا لے جاتا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ میں نے کون سا قصور کر ڈالا؟ ایک تو گڈو کی جھونپڑی بچائی دوسرے اس میں خالی پڑی ہوئی جگہ کا ٹھیک استعمال کیا۔ میری جگہ اگر آپ لوگوں میں سے بھی کوئی ہوتا تو ضرور وہی کرتا جو میں نے کیا تھا۔"

ہاتھی کا بیان ہو چکنے کے بعد پنچوں نے گیدڑ لکڑبگڑ وغیرہ گواہوں کو بلایا۔ انھوں نے بھی ہاتھی کی بات کی تائید کی اب گڈو کو بلایا گیا۔ اُس نے جھونپڑی پر اپنے حق کا ثبوت دینا چاہا۔ مگر پنچوں نے کہا۔ "گڈو جی! ہمارے پاس تمھاری اِدھر اُدھر کی فضول باتیں سننے کا وقت نہیں ہے۔ ہم تم سے جو بات پوچھتے ہیں اس کا مختصر جواب دو۔ باقی باتوں کی جانچ تو ہم نے کر ہی لی ہے۔"

گڈو کو بیچ میں ہی ٹوک کر پنچوں نے کہا۔ "بس بس! ہمیں کچھ نہیں سننا ہے جو کچھ ہمیں تم سے پوچھنا تھا

پوچھ لیا - ہماری چارپائی پوری ہو گئی ہے۔"
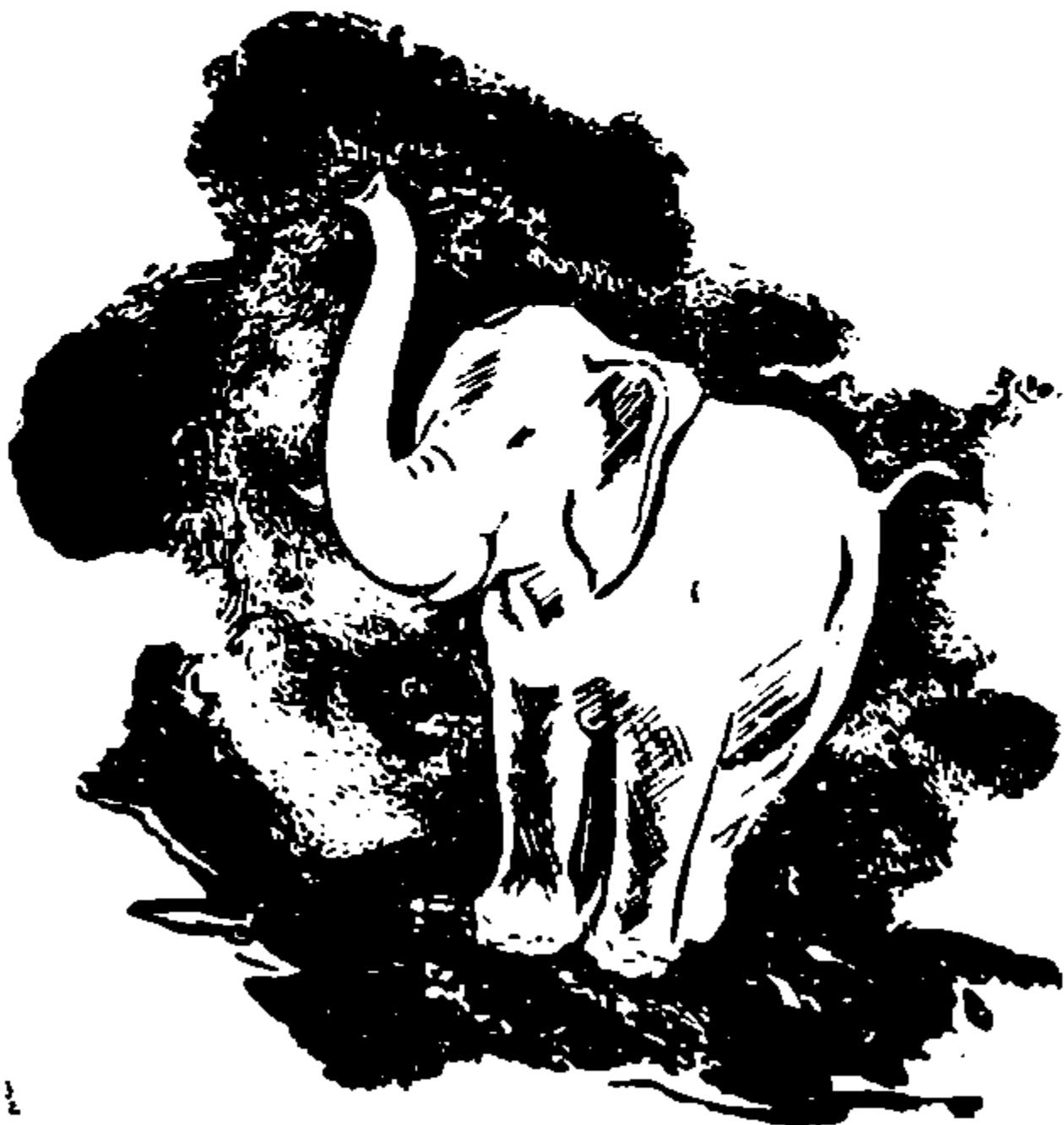
اتنا کہہ کر پنچ فیصلہ دینے سے پہلے ذرا ستانے کے لئے دوسری جگہ ہٹ گئے۔ وہاں ہاتھی صاحب نے انھیں خوب دعوت کھلائی۔ کھا پی کر پنچ لوگ فیصلہ سنانے کے لئے پھر اکٹھے ہوئے اور انھوں نے اپنا فیصلہ اس طرح پڑھ کر سنا دیا:

" ہمارے خیال میں بگلا میاں کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ اس نے جناب وزیر ہاتھی صاحب کی حد کی قدر نہ کی اور ان پر الزام لگایا ہے۔ ہاتھی صاحب نے ان کی بھلائی کا ہر طرح دھیان رکھا کہ خالی جگہ کو جس میں کبھی بھی طوفان سما سکتا تھا اپنے لمبے چوڑے جسم سے بھر دیا۔ کیونکہ بگلا میاں خود کبھی بھی ایسا بھاری بھرکم نہیں ہو سکتا کہ جھونپڑی کی خالی جگہ کا ٹھیک استعمال کر سکے۔ اس لئے وہ اس جھونپڑی کو ہاتھی صاحب کے لئے خالی کر دے۔ ہاں ہم اس کے ساتھ اتنی رعایت کر سکتے ہیں کہ اسے جنگل میں تھوڑی سی جگہ دے دی جائے۔ جہاں وہ اپنے لئے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائے اور راجہ شیر کے زیر سایہ رہتا ہوا اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھے۔"

فیصلہ سن کر ہاتھی نے گھمنڈ سے اپنی سونڈ اوپر

اُٹھائی اور مُسکرا کر پُر معنی نظروں سے گگّو ۔تو کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو ، دیکھا تم نے یہاں تو جس کی لاٹھی اُس کی بھینس ہے ۔

بے چارہ گگّو ! اُن چوپایوں کے درمیان اُن کی کون سُنتا تھا !

ہاتھی نے گھمنڈ سے اپنی سونڈ اوپر اُٹھائی۔

بلغاریہ بلتیز — چیک لوک کہانی

پلوپیلکا

ایک گاؤں میں ایک عورت رہتی تھی۔ اُس کے دو بیٹیاں تھیں۔ اُس کا شوہر بہت سیدھا تھا۔ بڑی بیٹی جس کا نام جلو بولا تھا بہت بے رحم اور نٹ کھٹ تھی لیکن دوسری بیٹی پلو پیلکا اچھی اور رحم دل تھی

ایک دن باپ نے بیٹیوں سے کہا۔ "میں شہر جاؤں گا۔ تم کیا چیز چاہتی ہو؟ میں شہر کے بازار سے تمہارے لئے وہ چیزیں لے آؤں۔"

جلو بولا بہت سی سوغاتیں چاہتی تھی۔ ریشم کے کپڑے زیور وغیرہ۔ مگر پلو پیلکا نے کہا "ابا جان! آپ کی جو پسند ہو وہی میرے لئے لے آئیں۔"

باپ شہر سے سامان خرید کر گھر کو چلا۔ جنگل کے راستہ میں اُس نے اچھے اچھے ناریل دیکھے۔ اس نے سوچا یہ پلوپیلکا کے لئے سوغات ہے اور تین چھوٹے ناریل جیب میں ڈال لئے

جب وہ گھر پہنچا تو جلو بولا نے اُس سے کہا۔ "ابا جان

مجھے سوغات دو۔"

باپ نے اُسے شہر کے بازار سے خریدی ہوئی سب اچھی چیزیں دے دیں پھر اُس نے پوپیلکا سے کہا۔ "میری پوپیلکا میں تمھیں صرف تین ناریل دے رہا ہوں جنھیں میں نے جنگل میں پایا ہے۔" پوپیلکا نے اپنے باپ کا شکریہ ادا کرکے وہ ناریل صندوق میں رکھ دیئے۔

کچھ دنوں کے بعد اُس ملک کے بادشاہ کے محل میں بڑا جشن تھا۔ جلوبولا نے اپنی ماں سے کہا۔ "ماں کیا میں بادشاہ کے ہاں جشن میں شامل ہونے چلی جاؤں؟"

ماں نے جواب دیا "ہاں ہاں پیاری بیٹی اور میں بھی تمھارے ساتھ جاؤں گی۔ پوپیلکا گھر میں رہے گی۔ اور کام کرے گی۔"

جلوبولا اور اُس کے جانے کے بعد پوپیلکا باغیچے میں جاکر رونے لگی۔ یہ دیکھ کر ایک کبوتر

پوپیلکا نے ایک ناریل توڑا۔ کتنا عجیب! ناریل کے اندر باریک ریشم کی اچھی پوشاک اور چھوٹے چھوٹے جوتے تھے۔

نے جو درخت پر بیٹھا تھا، اس سے کہا "پلو پیلیکا تم روتی کیوں ہو۔ رونا اچھا نہیں۔ سنو! ایک ناریل کو توڑ کر دیکھو۔ پھر تم راج محل میں جا سکو گی۔"

یہ کہہ کر کبوتر اُڑ گیا۔ پو پیلیکا نے ایک ناریل کاٹا۔ کتنا عجیب! ناریل کے اندر باریک ریشم کی اچھی پوشاک اور چھوٹے چھوٹے جوتے تھے۔ پو پیلیکا یہ لباس اور جوتے پہن کر بادشاہ کے محل میں گئی۔

محل میں بڑا جشن تھا۔ سب لوگ ناچ رہے تھے۔ بادشاہ جس کا نام یروسلو تھا، پو پیلیکا کو دیکھ کر اُسی کے ساتھ ناچنے لگا۔ کچھ لمحہ کے بعد بادشاہ نے کہا۔ "خوبصورت لڑکی! اے خوبصورت لڑکی! تمہارا نام کیا ہے۔"

پلو پیلیکا نے جواب دیا۔ "حضور یروسلو! میں آپ کو اپنا نام نہیں بتا سکتی"۔ یروسلو اداس ہو گیا لیکن پو پیلیکا گھر چلی گئی۔

پو پیلیکا کی بہن اور ماں گھر آتے ہی کہنے لگیں۔ "پو پیلیکا تو میلی لڑکی ہے۔ آج بادشاہ کے محل میں ایک دل کش حسینہ آئی تھی۔ بادشاہ فقط اُسی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔"

پلو پیلیکا چپ رہی اور کام کرتی گئی۔ اُس نے اپنا بھید نہیں بتایا۔ وہ پھر اس خوبصورت شہزادے کے بارے میں

سوچتی رہی ۔

ادھر پرو پیلیکا کے چلے جانے کے بعد پیدسلو سارا دن اداس رہا ۔ اس نے سوچا وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی لیکن میں اس کا نام تک نہیں جانتا ہوں ہو سکتا ہے کہ دوسرے جشن میں وہ پھر آئے اس لئے اس نے دوسرا جشن رچایا ۔

بادشاہ پیدسلو پروپیلیکا پہ اتنا فریفتہ ہوا کہ وہ سارا وقت اس کے ساتھ ناچتا رہا ۔

جب ماں جلو بوہا کے ساتھ دوسرے دن جشن کے لئے جا رہی تھی تو پروپیلیکا نے دوسرے ناریل کو کاٹا اور اس کے اندر سے پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت لباس اور پہلے جوتے سے بھی زیادہ خوبصورت

جوتے نکلے۔ پوپیلیکا انھیں پہن کر بادشاہ پیروسلو کے محل میں گئی پیروسلو اُسے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ وہ ساری رات صرف پوپیلیکا ہی کے ساتھ ناچتا رہا۔

سویرے پوپیلیکا محل سے چُپ چاپ گھر آگئی کچھ دیر بعد اُس کی ماں اور جلو بولا آئیں۔ ماں نے کہا۔ " پوپیلیکا، میلی لڑکی؛ آج محل میں پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ایک حسینہ آئی تھی۔ بادشاہ پیروسلو اُس کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا۔ لیکن وہ حسینہ سویرے چلی گئی اور پیروسلو اُداس ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ حسینہ کون ہے؟" مگر پوپیلیکا چپ چاپ رہی اور کام کرتی رہی۔

کچھ دنوں بعد پیروسلو کے محل میں تیسرا جشن ہوا۔ پوپیلیکا نے تیسرے ناریل کو کاٹا اور اس کے اندر سے بہت خوبصورت لباس اور بہت خوبصورت جوتے نکلے۔ انھیں پہن کر پوپیلیکا رانی سی نظر آنے لگی پھر وہ محل میں گئی۔

پیروسلو پوپیلیکا کو دیکھتے ہی پیار سے پاگل ہو گیا۔ اُس نے کہا " حسینہ! او حسینہ!! میرے محل سے نہ جا۔ تو کس لئے مجھے اپنا نام نہیں بتاتی؟" لیکن پوپیلیکا نے اُس کی بات نہ سنی۔ وہ محل سے بھاگی۔ مگر جلدی میں اُس کا ایک جوتا پاؤں سے نکل گیا۔

لیکن پوپیکا نے اس کی بات نہیں سنی اور محل سے بھاگی۔
جلدی بھاگنے کے باعث اس کا ایک جوتا پاؤں سے نکل گیا۔

پیروسلو نے وہ جوتا لے لیا اور اپنے محل میں چلا گیا۔ دوسرے دن سے پیروسلو اپنے وزیر کے ساتھ سارے ملک کے سفر کے لئے نکلا۔ وہ سب لڑکیوں کو یہ چھوٹا جوتا پہناتا رہا جو پوپیلیکا سے وہاں چھوٹ گیا تھا۔ اس طرح بادشاہ پوپیلیکا کو ڈھونڈتا رہا۔ جب جلو بوہا اور اس کی ماں نے پیروسلو اور اس کے وزیر کو دیکھا تب اس نے پوپیلیکا سے کہا۔" او گندی لڑکی تو یہاں سے چلی جا پیروسلو جی آرہے ہیں!"
لیکن پیروسلو بولا "نہیں نہیں سب لڑکیاں یہیں رہیں۔"
ماں نے کہا ۔" یہ تو ایک گندی لڑکی ہے اور اس کے پاؤں ہاتھی کی طرح ہیں لیکن میری جلو بوہا کے پاؤں چھوٹے چھوٹے ہیں وہ آپ کا جوتا ضرور پہن لے گی۔ پیاری جلو بوہا حضور پیروسلو کو اپنے پاؤں دکھاؤ۔"

مگر جلو بوہا وہ چھوٹا جوتا نہیں پہن سکی۔ پھر پوپیلیکا بیٹھ گئی اور اس نے آسانی سے چھوٹا جوتا پہن لیا۔ پیروسلو یہ دیکھ کر بولا ۔" حسینہ، او حسینہ! میرے محل میں مہربانی کر کے جلد آجاؤ۔ میں تم سے بیاہ کروں گا۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے بیاہ کرنا چاہتی ہو؟"

پوپیلیکا نے کہا ۔" جی ہاں میں بھی آپ سے پیار کرتی ہوں اور آپ کی دلہن بننا چاہتی ہوں۔"

کچھ دنوں بعد ان کا بہت دھوم دھام سے بیاہ ہو گیا ۔ جب بعد میں پوسپکا اور یردسلو محل کے باغیچے میں ساتھ ساتھ سیر کر رہے تھے وہ کبوتر بھی اُن کے اوپر اُڑ رہا تھا جس نے باغیچے میں پوسپکا کو صلاح دی تھی ۔

شریر خادمہ

کئی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ تبت کے دوسرے سب سے بڑے شہر شگتسی میں ایک کوتوال جونگ پون نامی رہا کرتا تھا۔ وہ ہر طرح سے سکھی تھا مگر ایک بات سے وہ ہمیشہ دکھی رہا کرتا تھا کہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر اس نے سو بیٹے کے سب سے بڑے لامہ کو بلوا کر پوجا کروانے کا فیصلہ کیا۔ لامہ (سادھو) آئے، پوجا ہوئی۔ جس میں ہزاروں سانگ (تبتی روپیے) لگ گئے اور تبتی دیوتا چین رے زی کی مہربانی سے اس کے گھر ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ لیکن قسمت نے ایک کو پیدا کرکے دوسرے کی زندگی مانگ لی۔ بے چاری ماں اپنی بیٹی کا منہ دیکھے بغیر پرلوک سدھار گئی۔ جونگ پون گہرے غم میں ڈوب گیا اور اس نے اپنی اکلوتی بیٹی رنجنگ لا کو جو پھول سے بھی زیادہ نازک تھی۔ اپنی ساری محبت کا مرکز بنا لیا۔

رفتہ رفتہ رنجنگ لا سیانی ہو چلی۔ اب جونگ پون کو

فکر دامن گیر ہوئی کہ اس کی دیکھ بھال کون کرے گا ۔ اس نے چاروں طرف اپنے آدمی دوڑائے کہ کہیں سے کوئی نیک خادمہ مل جائے ۔ بہت مشکل سے انھیں ایک خادمہ ملی جو حقیقت میں شریر تھی اور جس نے اپنے آپ کو بہت سیدھی سادی دکھا کر جونگ پُو کو بھی خوش کر لیا ۔ رنجنگ لا کی دیکھ بھال اُس کے سپرد کر دی گئی ۔ دونوں ساتھ ساتھ رہتیں اور ساتھ ساتھ سیر کرنے جاتیں ۔

ایک دن خادمہ کو ندی پر پانی بھرنے کے لئے جاتے دیکھ کر رنجنگ لا بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے ہٹ کرنے لگی ۔ جونگ پُو نے پیار میں آکر اُسے ایک سنہری بالٹی دے کر کہا جلد واپس آنا ۔ رنجنگ لا خادمہ کے ساتھ ندی کی جانب چل پڑی ۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی بالٹی اور خادمہ کے پاس لکڑی کی بالٹی تھی ۔ یہ دیکھ کر خادمہ کو بہت جلن ہوئی ۔ ندی پر پہنچ کر اُس نے رنجنگ لا سے کہا ۔ " چلو ہم تم ایک کھیل کھیلیں ۔"

لیکن رنجنگ لا نے کہا " نہیں چلو چلو پالا (باپ) انتظار کر رہے ہوں گے ۔"

خادمہ نے ہٹ کر کے کہا ۔ " اونھوں ! تمھیں کون کچھ کہنے کی ہمت رکھتا ہے ؟ اگر دیر کر کے بھی جاؤ گی تو بھی تمھارے پالا تم سے پیار ہی سے بات کریں گے ۔ دیکھو ہم دونو اپنی بالٹی

ندی میں پھینک کر دیکھیں کہ کس کی تیرتی ہے اور کس کی ڈوبتی ہے ؟"

رنجنگ لا نے جواب دیا "واہ یہ بھی کوئی دیکھنے کی بات ہے میری بالٹی دھات کی ہے ضرور ڈوب جائے گی لیکن تمہاری لکڑی کی بالٹی ہلکی ہونے کی وجہ سے نہیں ڈوبے گی ۔"

لیکن اُس شریر خادمہ نے ایک بڑی بوڑھی کے مانند کہا۔ "تم تو ابھی بچی ہو ۔ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے ؟ سونے کی بالٹی قیمتی چیز ہونے کی وجہ سے نہیں ڈوبے گی مگر لکڑی کی بالٹی پُرانی اور سستی ہونے کی وجہ سے ڈوب جائے گی ۔ تم دیکھو تو سہی ۔"

تب دونوں نے اپنی اپنی بالٹی ندی میں پھینک دی ۔ دیکھتے دیکھتے سونے کی بالٹی ندی میں ڈوب گئی اور لکڑی کی تیرنے لگی ۔ لکڑی کی بالٹی تو وہ کسی نہ کسی طرح نکال لائی لیکن سونے کی بالٹی کا کچھ پتہ نہ چلا ۔ ادھر بے چاری رنجنگ لا ہاتھ مل مل کر پچھتانے لگی ادھر وہ شریر عورت اپنی لکڑی کی بالٹی میں پانی بھر کر دل ہی دل میں خوش ہو کر گھر واپس آئی ۔

اسے اکیلی آتے دیکھ کر چونگ یوں لے پوچھا ۔"رنجنگ لا کدھر ہے ؟"

خادمہ نے مُنہ بنا کر کہا اُس نے اپنی بالٹی کھو دی ہے

دیکھتے دیکھتے سونے کی بالٹی ندی میں ڈوب
گئی اور لکڑی کی بالٹی تیرنے لگی۔ بے چاری
رنجنہ رو رو کر پچھتانے لگی۔

اور اب گھر آنے سے ڈر رہی ہے۔"

جونگ یوں بولے۔" ارے جا کر اُس سے کہو گھر آئے اور بالٹی کا افسوس نہ کرے۔"

لیکن اُس خادمہ نے رنجنگ لا سے یہ جھوٹ بول دیا کہ اس کا پالا بہت خفا ہوا ہے اور اس نے کہا ہے کہ اگر رنجنگ لا جلد بالٹی نہ لائی تو وہ اسے جان سے مار ڈالے گا۔

بے چاری رنجنگ لا نے ہچکی لے کر پوچھا" اب کیا کریں؟"

خادمہ نے کہا" چلو بھاگ چلیں۔ اور ہاں ایسا کرو کہ تم میرے کپڑے پہن لو اور میں تمہارے پس ہمیں کوئی نہیں پہچان سکے گا۔" رنجنگ لا مان گئی اور دونوں نے ایک دوسرے سے اپنے کپڑے بدل لئے لیکن خوش قسمتی سے وہ اپنے گلے میں ڈوری سے بندھے 'پاگے' (زیور کی طرح کا تعویذ) کو بدلنا بھول گئیں۔ دونوں چُپ چاپ وہاں سے بھاگ نکلیں۔

چلتے چلتے انھیں ایک کٹا زمیندار کے کچھ چرواہے ملے جنھوں نے انھیں دیکھ کر پُوچھا۔" تم لوگوں نے اپنے کپڑے کیوں بدلے ہیں؟" خادمہ نے ایک بڑے گھر کی لڑکی کی طرح جواب نہ دیا صرف اپنی نظر پھیر کر آگے بڑھ گئی۔ لیکن رنجنگ لا نے ایک خادمہ کی مانند یہ جواب دے کر کہا۔ کہ" ہم نے کپڑے نہیں

بدلے ہیں اور نہ میں کوتوال کی لڑکی ہوں۔" اور وہ خادمہ کے پیچھے چلی گئی۔ تھوڑی دور جانے پر انھیں کُتا کے مخبر واپس ملے۔ پھر وہی سوال وہی جواب۔ چلتے چلتے وہ اسی کُتا کے گھر جا پہنچیں۔ رات ہو رہی تھی دونوں نے رات وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ رنجنگ لا نے کُتا کے پاس جا کر اپنے اور اپنی مالکن کے لیے وہاں رہنے کی اجازت مانگی۔ کُتا نے اجازت دے دی۔

اِدھر جب کُتا کے اکلوتے بیٹے ناگیال نے ان دونوں کو دیکھا تو دل ہی دل میں جان گیا کہ ان دونوں نے ضرور کپڑے بدلے ہیں۔ ایک دن موقع پا کر اور رنجنگ لا کو اکیلی دیکھ کر اس نے پوچھا کہ کیا یہ بات سچ ہے؟ لیکن رنجنگ لا نے اُسے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ سیکشو (لڑکے) کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ویسے انھیں کپڑے بدلنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟

ناگیال ان باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے ایک دن دونوں کی آزمائش کرنے کی ٹھانی۔ اس نے رنجنگ لا کو بہت سی کچی اون دے کر کہا۔ "تم آج یاک (بیل) چرانے لے جانا اور اس کا دھاگا بھی بنا دینا۔" رنجنگ لا دونوں کو لے کر چلی گئی۔ جاتے جاتے اُس نے کچے اون کے ٹکڑے درختوں کی ٹہنیوں پہ رکھ دئے اور رستے میں

پڑے ہوئے کچھ کالے اور کچھ سفید پتھر بھی چن لئے۔ چراگاہ میں آ
کر اُس نے کالے سفید پتھروں کو ادھر اُدھر ڈال دیا جس
سے یاک بھی اِدھر اُدھر پھیل کر چرنے لگے۔ شام کو جب گھر
جانے کا وقت ہوا تو اس نے اُن پتھروں کو پھر چُن لیا۔
اُس کے ایسا کرنے سے یاک بھی چرنا چھوڑ کر ایک جگہ اکٹھے
ہو گئے۔ رنجنگ لا اُن کو لے کر گھر کی جانب چل دی
راستے میں جو اُون اس نے درختوں کی ٹہنیوں پر رکھی
تھی وہ دھاگوں میں بدل گئی تھی۔ رنجنگ لا نے اُن کو لپیٹ
کر گولا بنا دیا۔

اُدھر رنجنگ لا یاک چرانے باہر گئی تھی اِدھر خادمہ کو پانی
بھرنے کا کام سونپا گیا۔ ناگیال نے اُس کی آزمائش کرنے کے ارادے
سے پکار کر اس سے یہ کہا۔ "تم سونے کی بالٹی لے جاتی ہو تو
کون سی بڑی بات ہے؟ تم چاندی کی بالٹی لے جاتی ہو تو بھی
کیا ہے؟ میرا خچّر خانہ خچروں سے بھرا ہے۔ میرے اصطبل
میں گھوڑے ہی گھوڑے ہیں۔ میرا احاطہ یاکوں سے بھرا
ہُوا ہے۔ تمہارے ہاں کیا ہے؟ میرا پالا سونے کے تخت
پر بیٹھتا ہے، میری اماں لا (ماں) چاندی کے تخت پر اور میں
خود سیپ کے تخت پر بیٹھتا ہوں۔ تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا
ہو؟ تمہارے ہاں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔" خادمہ ایک

غریب گھرانے کی تھی اور اسے اپنے مالک کے ذخیرہ دولت کے بارے میں علم بھی نہ تھا ۔ کچھ جواب نہ دے سکی صرف نظر پھیر کر کام کرنے لگی ۔ ناگیال دل ہی دل میں مسکرا کر وہاں سے چل دیا ۔

دوسرے دن اس نے خادمہ کو یاک چرانے کے لئے باہر بھیجا اور اسے بھی رنجنگ لا کی طرح اون کاتنے کو دیا خادمہ فوراً رنجنگ لا کے پاس پہنچی اور اس سے پوچھا کہ کل تم نے یہ سب کام اتنے کم وقت میں کس طرح کیا ؟ رنجنگ لا نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ کیسے طرح اس نے اون درختوں پر رکھی، اس کے پتھروں کے جادو سے یاک اس کا کہنا ماننے لگے اور آخر درختوں نے اس پر مہربانی کرکے اپنی ٹہنیوں سے اون کا دھاگا بنا دیا وغیرہ وغیرہ ۔ اتنا سن کر خادمہ وہاں سے یاک اور اون لے کر چلی گئی ۔

ادھر خادمہ کی طرح رنجنگ لا کو بھی پانی بھرنے کا حکم ملا ۔ ناگیال نے پھر آزمائش کرنے کی سوچی اور اسی طرح اپنے سوال اور اپنی بڑائی بیان کی ۔ رنجنگ لا اپنے پالا کی اس طرح بے عزتی نہ سہہ سکی اور تنک کر بولی ۔ " یہ سونے کی بالٹی جو میرے ہاتھ میں ہے وہ ہمارے جونگ (ضلع) جیسی نہیں ہے ۔ ہماری بالٹی میں ذرہ بھر بھی

تانبہ ملا ہُوا نہیں ہے۔ یہ چاندی کی بالٹی بھی ہمارے جونگ جیسی نہیں ہے۔ ہماری بالٹی میں ذرا بھی ملاوٹ نہیں ہے تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ تم اپنے خچروں کی تعریف کر رہے ہو۔ اگر ہمارے خچر دیکھو تو آنکھیں کھُل جائیں۔ ہمارے جونگ میں تمھارے خچروں جیسے مریل خچر نہیں ہیں۔ تمھارے گھوڑوں سے ہمارے گھوڑے گنتی میں زیادہ اور طاقت میں بڑھ کر ہیں۔ رہے تمھارے یاک ـــــ اُن کے بارے میں بھی سُن لو۔ ہمارے پاس لاکھوں ہوں گے اور اُن میں سے ایک بھی "اے کو" (نیچی نسل کا یاک) نہیں ملے گا۔ تم سمجھتے کیا ہو مان لیا تمھارے پالا سونے کے تخت پر بیٹھتے ہیں مگر وہ بھی ہمارے جونگ جیسا نہیں ہے۔ ہمارے تخت میں تمھارے تخت کی طرح تانبے کی ملاوٹ نہیں ہے۔ تمھاری اماں لا جس چاندی کے تخت پر بیٹھتی ہیں وہ بھی ہمارے تخت جیسا نہیں ہے۔ ہمارے تخت میں ذرا بھی ملاوٹ نہیں ہے۔ جس سیپ کے تخت پر تم خود بیٹھتے ہو وہ بھی ہمارے تخت جیسا نہیں ہے ہمارے ہاں ایک بھی سفید پتھر نہیں ہے۔ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟"

اتنا سُن کر ناگیال چُپ ہو رہا۔

اِدھر الو میں یہ تنا تنی چل رہی تھی اُدھر خادمہ اپنے

کام میں لگی ہوئی تھی ۔ رنجنگ لا کے کہنے کے مطابق اُس نے اون درختوں کی ٹہنیوں پر رکھ دیا اور کالے سفید پتھر بھی چن لیئے ۔ چراگاہ میں پہنچ کر اُس نے رنجنگ لا کی طرح پتھر بھی ادھر اُدھر ڈال دئے لیکن ٹھیک ٹھیک طرح نہیں پھیلے اور نہ وہ اچھی طرح اکٹھے ہوئے ۔ جب شام کو اُس نے وہی پتھر پھر چننے تو اُسے کئی بار اُن کے پیچھے بھاگنا پڑا اور جب وہ درختوں کے پاس پہنچی تو اس نے دیکھا کہ اون کا دھاگا نہیں بنا بلکہ ہوا سے اون کے ٹکڑے اِدھر اُدھر اڑ گئے ۔ آدھے غصے کے اس کو ٹکڑے دکھائی بھی نہیں دیئے ۔ کسی نہ کسی طرح اس نے اُن کو چن کر اکٹھا کیا اور رات ہو جانے پر کہیں وہ گھر پہنچی ۔

ناگیال نے جب اُسے ایسی حالت میں واپس آتے دیکھا تو وہ سب کچھ سمجھ گیا اور اپنی بات کی تصدیق کے لئے اس نے ایک دن خادمہ کو بہت نزدیک سے دیکھا ۔ اُسے معلوم ہوا کہ اس کے بال میلے اور اُلجھے ہوئے تھے ۔ اس کا 'پاں گے' (تعویذ) گندہ تھا اور اس کے بٹوے میں صرف سوئی دھاگا دو تین جھوٹے نگ اور کانچ کے موتی ملے ۔ ادھر رنجنگ لا کے بال صاف چمکیلے اور ریشم کی طرح ملائم نظر آتے تھے ۔ اس کا 'پاں گے' صاف اور سچے نگوں سے

جڑا تھا۔ اُس میں ایک قیمتی خوشبودار دوا بھی تھی اور اس
کے بٹوے میں ریشمی دھاگا سچے موتی ہیرے اور کچھ
قیمتی نیلم بھی تھے۔ اب
ناگیال کو اور کسی ثبوت
کی ضرورت نہیں تھی وہ
فوراً رنجنگ لا کے پاس
پہنچا اور اپنی کھوج کا
نتیجہ اس سے کہہ دیا۔
پھر اس نے رنجنگ لا
سے پوچھا۔ "ڈیمو کشو رنجنگ
لا (لڑکی)، سچ کہو تمہارے
باپ جزنگ پوں ہیں؟"
رنجنگ لا چُپ رہی مگر
ناگیال نہ مانا۔ آخرکار
رنجنگ لا کو ہاں کہنا پڑی
اور اس نے ناگیال سے
التجا کی کہ وہ اُسے
زیادہ حال بتلانے پر
مجبور نہ کرے۔

فودمہ کا گھوڑا بدک کر تیزی سے بھاگ نکلا۔
اور لے گیا فودمہ کو اپنے پیچھے گھسیٹتا ہوا
کبھی پہاڑ کے اوپر کبھی پہاڑ کے نیچے

ناگمیاں نے اُسے تسلی دے کر کہا۔ ”گھبراؤ نہیں سیمو کشگو میں سب معاملہ درست کر لوں گا کل صبح میں تم دونوں کو پہاڑ کی چوٹی پر بنے ہوئے گمپا (مندر) میں دھوپ جلانے اور پُوجا کرنے بھیجوں گا۔ جن گھوڑوں پر تم دونوں سواری کروگی وہ ایسے چالاک جانور ہوں گے جو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ گمپا پہنچ کر تم گھوڑوں کو درخت سے نہیں اپنے پاؤں سے باندھنا ورنہ وہ بھاگ جائیں گے۔ تمہارے تھیلے میں کھانا ہوگا مگر خادمہ کے تھیلے میں ہوں گے زندہ تیتر۔ تم کسی نہ کسی طرح ایسا کام کرنا کہ خادمہ ہی پہلے اپنا تھیلہ کھولے اُس کے کھلتے ہی اس میں سے تیتر شور مچا کر اڑیں گے خادمہ کا گھوڑا (جس کو پہلے ہی سے معلوم ہوگا کہ کیا کرنا چاہیئے) اُسے پیچھے گھسیٹتا ہوا بھاگ جائے گا اس طرح سے خادمہ کی شرارت بھری زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ تم اپنا کھانا کھا کر گھر آ جانا۔ تمہارا گھوڑا سیدھا اپنی جگہ کھڑا رہے گا۔ رنجنگ لا مان گئی۔

دوسرے دن صبح ہی دونوں پُوجا کرنے کے لئے پہاڑ پر بنے ہوئے گمپا میں گئیں۔ وہاں پہنچ کر دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے اپنے اپنے پاؤں سے باندھ لئے۔ خادمہ نے رنجنگ لا سے اپنا تھیلا کھولنے کو کہا لیکن رنجنگ لا

نے ہوشیاری سے منع کر دیا اور کہا "تمہارے تھیلے میں ضرور لذیذ کھانا ہوگا تم سیمو کشو جو ٹھہریں۔ لیکن میرے تھیلے میں خادمہ کا کھانا ستّو ہی ہوگا۔ پہلے تم ہی اپنا تھیلا کھول کر دیکھو۔"

جیسے ہی خادمہ نے اپنا تھیلا کھولا اُس میں سے زنبور شور مچا کر باہر نکلے۔ شور سن کر خادمہ کا گھوڑا بدک کر تیزی سے بھاگ نکلا اور لے گیا خادمہ کو اپنے پیچھے گھسیٹتا ہوا ــــ کبھی پہاڑ کے نیچے اور کبھی پہاڑ کے اوپر۔ ایک پل میں خادمہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بڑا ٹکڑا جَو کے دانے سے بڑا نہیں تھا اور چھوٹا ٹکڑا شلغم کے بیج سے بھی چھوٹا تھا۔ رنجنگ لا اپنا کھانا کھا کر گھوڑے پر جو اپنی جگہ کھڑا تھا، چڑھی اور ناگیال کے گھر کی طرف چل پڑی۔

گھر پہنچ کر ناگیال نے پوچھا۔ "کیا ہُوا؟" رنجنگ لا نے بتایا کہ خادمہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں بڑا ٹکڑا جَو کے دانے سے بڑا نہیں تھا اور چھوٹا ٹکڑا شلغم کے بیج سے بھی چھوٹا تھا۔ ناگیال نے خوش ہو کر رنجنگ لا سے بیاہ کر لیا۔

تب ناگیال کا پالا (باپ) سونے کے تخت پر بیٹھا

ناگیال کی اماں لا (ماں) چاندی کے تخت پر بیٹھی، ناگیال خود سیپ کے تخت پر بیٹھا اور ناگیال کی دُلھن رِنغنگ لا نیلم کے تخت پر بیٹھی۔

درون دیر — یونانی کہانی

کاریگر کا بیٹا

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنی رعایا پر ناجائز ٹیکس لگا لگا کر اور اپنے ماتحت ملکوں کو لوٹ لوٹ کر بہت سی دولت جمع کرلی ۔ اس دولت کو محفوظ رکھنے کے لئے اس نے بڑے بڑے پتھروں کا ایک وسیع محل بنانے کی سوچی ۔

اس بادشاہ کے ملک میں ایک ہوشیار کاریگر رہتا تھا وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا کہ کسی طرح بادشاہ کا خزانہ خالی کر کے اسے بےکس محتاجوں کی بھلائی میں خرچ کرسکے ۔ اب جبکہ اس وسیع محل کو بنانے کا کام اس کے سپرد ہوا تو اس کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا ۔ جب محل بنانے کا کام پورے زور شور سے جاری تھا تو کاریگر نے چپکے سے ایک دیوار میں ایسا پتھر رکھ دیا جو ایک یا دو آدمیوں کی مدد سے اپنی جگہ سے بہت آسانی سے نکالا اور رکھا جا سکتا تھا ۔ آخر محل تیار ہو گیا ۔ اور بادشاہ کی ساری دولت اس میں رکھ دی گئی

اتفاق سے محل بن چکنے کے تھوڑے ہی دن بعد کاریگر
سخت بیمار ہو گیا۔ اپنا آخری وقت نزدیک آتے دیکھ کر اُس
نے اپنے دونوں بیٹوں کو بُلایا اور یہ راز بتا دیا کہ کس طرح
اس نے بادشاہ کے نئے محل کی ایک دیوار میں آسانی سے ہٹایا
جا سکنے والا ایک پتھر رکھا تھا۔ پھر کہا "بیٹا! یہ سب

جتنی دولت وہ ڈھو سکے اُٹھا کر نکل آتے اور اس پتھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر پہرے داروں سے بچتے بچاتے وہ گھر پہنچ گئے

میں نے فقط غریبوں کی بھلائی کے لئے ہی کیا ہے تاکہ تم اُس کی ساری دولت نکال کر ملک کی بھلائی کے لئے خرچ کر سکو۔ مگر یہ راز کسی پر بھی ظاہر نہ ہونے پائے۔"

اپنے باپ کے مرنے کے بعد بیٹوں نے اس کی ترکیب سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی سوچی۔ وہ ایک رات چُھپ کر بادشاہ کے وسیع محل کی دیوار تک پہنچے اور اپنے باپ کی بتائی ہوئی جگہ کو ڈھونڈ کر بہت آسانی سے وہ پتھر نکال کر اندر گھس گئے۔ دولت کے اونچے اونچے ڈھیر دیکھ کر اُن کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ جتنی دولت دونوں اُٹھا سکے اُٹھا کر نکل آئے اور اس پتھر کو اپنی جگہ رکھ کر پہرے داروں سے نیچے بچاتے گھر پہنچ گئے۔

اگلے دن جب بادشاہ اپنی دولت دیکھنے آیا۔ تو دولت کے ڈھیروں کو ہلا ہوا دیکھ کر چونک پڑا۔ اُسی وقت پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ محل کے چاروں طرف جانچ کی گئی۔ کہیں بھی نقب کے نشان دکھائی نہ دیئے آخر تنگ آکر بادشاہ چپ ہو گیا۔

دوسرے دن جب بادشاہ دولت کی دیکھ بھال کرنے گیا تو پھر ڈھیروں کو ہلا ہُوا دیکھ کر اُسے اور بھی حیرانی ہوئی۔ مشکوک پہرے داروں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

آخر بادشاہ نے دولت کے ڈھیروں کے چاروں طرف پھندے لگوا دئے تاکہ جو کوئی بھی دولت اُٹھانے آئے وہ اُن میں پھنس جائے۔

اگلے دن پھر کاریگر کے بیٹے بادشاہ کے دولت والے محل میں اُسی رستے سے داخل ہوئے۔ وہ پھندوں سے واقف نہیں تھے۔ جونہی ایک بھائی ڈھیر کی طرف بڑھا۔ ایک پھندے میں پھنس گیا۔ اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کافی کوشش کی۔ دوسرے بھائی نے بھی بہت داؤ پیچ لگائے لیکن وہ بھی اُسے چھڑا نہ سکا۔ آخر پھنسے ہوئے بھائی نے کہا "اگر مجھے زندہ ہی بادشاہ کے سپاہیوں نے پکڑ لیا تو تم سب کی موت آ جائے گی۔ تم میرا سر کاٹ کر لے جاؤ تاکہ بادشاہ میری لاش کو پہچان نہ سکے۔"

دوسرے بھائی نے ایسا ہی کیا اور اس کا سر کاٹ کر گھر لے آیا۔

صبح جب بادشاہ اپنی دولت دیکھنے آیا تو سر کے بغیر چور کی لاش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کمرے کی ساری دیواریں دیکھی گئیں لیکن نہ تو کوئی پتھر ٹوٹا ہوا دکھائی دیا اور نہ کوئی دروازہ جس سے کہ چور اندر آیا ہو۔ لیکن بادشاہ نے چور کا پتہ لگانے کی ٹھان رکھی تھی۔ اس

نے حکم دیا کہ بے سر کی لاش کو چوک میں لٹکا دیا جائے اور جو شخص بھی اس کی جگہ پر رونے کے لئے آئے اسے گرفتار کر لیا جائے۔

جب ان لڑکوں کی ماں نے یہ خبر سنی تو اس کا دل بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے دوسرے بیٹے سے بھائی کی لاش کو کسی نہ کسی طریقے سے گھر لانے کے لئے کہا۔

دوسرے بھائی نے لاش حاصل کرنے کی جی توڑ کوشش کی لیکن لاش کے اردگرد پہرا اتنا کڑا تھا کہ اس کی سب کوششیں ناکام رہیں۔ پھر بھی وہ چپ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی ماں اپنے بیٹے کی لاش حاصل کرنے کے لئے ضد کر رہی تھی۔

آخر اُسے ایک ترکیب سوجھی۔ بہت سے گدھوں پر اس نے چمڑے کے تھیلوں میں شراب لادی اور اپنے بھائی کی لاش کی جانب چل دیا۔ لاش کے پاس سے جہاں سپاہیوں کا کڑا پہرہ تھا، گزرتے ہوئے اس نے کچھ تھیلوں کے منہ ڈھیلے کر دئے جس سے شراب نیچے گرنے لگی

شراب کو گرتے دیکھ کر وہ چھاتی پیٹ پیٹ کر چلّانے لگا۔ کہ ہائے میری قیمتی شراب بہی جا

آدھی رات کے وقت جب سڑک سنسان ہو گئی تو جلدی سے اپنے
بھائی کی لاش کھولی اور ایک گدھے پر سوار ہو کر گھر لے آیا۔

رہی ہے ۔ وہ کبھی ادھر دوڑتا اور کبھی اُدھر اور شراب لگاتار تھیلوں میں سے بہہ رہی تھی ۔

کہتے ہیں مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال ہوتی ہے ۔ سپاہیوں کی نظر جب شراب پر پڑی تو اُن کی باچھیں کھل گئیں ۔ موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سب برتن لے کر گدھوں کی طرف بھاگے اور شراب پینے لگے ۔ کاریگر کا بیٹا جھوٹ موٹ زور زور سے چلّا کر سپاہیوں کو کوسنے لگا ۔ آخر جیسا اُس نے سوچا تھا ویسا ہی ہُوا ۔ سپاہیوں نے خوب جی بھر کر شراب پی لی اور بے ہوش ہو گئے ۔

ان کے بے ہوش ہو جانے کے بعد کاریگر کا لڑکا وہیں کھڑا رہا اور رات کا انتظار کرنے لگا ۔ آدھی رات کے وقت جب سڑک سنسان ہو گئی تو جلدی سے اس نے اپنے بھائی کی لاش کھولی اور اُسے ایک گدھے پر باندھ کر گھر لے آیا ۔ اپنے بیٹے کی لاش پا کر ماں کو کچھ تسلی ہوئی ۔

جب بادشاہ کے کانوں تک لاش کے بھی چوری چلے جانے کی خبر پہنچی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ اس نے چور کو پکڑنے کی ایک اور ترکیب سوچی

اُس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنا سب سے اعلیٰ کارنامہ بادشاہ کی لڑکی کو سُنائے گا اس کے ساتھ شہزادی کا بیاہ کر دیا جائے گا ۔ اس میں بھی ایک چال تھی ۔

کاریگر کے بیٹے نے بھی یہ اعلان سُنا ۔ بادشاہ کے مدّعا کو وہ بھانپ گیا ۔ ایک بار پھر اُس نے چکما دینے کی ٹھانی ایک مُردے کا بازو کاٹ کر اُس نے اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا لیا اور رات کے وقت بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا ۔ جب شہزادی نے اُس سے سوال کیا تو اس نے دولت کے محل میں اپنے بھائی کے پھنسنے اور اس کے ذریعے سے اس کا سر کاٹے جانے کی بات بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح پہرے داروں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر وہ اپنے بھائی کی لاش کو بھی لے اُڑا تھا ۔ شہزادی کو سب کچھ سمجھا دیا گیا تھا ۔ اس کے مُنہ سے اتنی بات سنتے ہی اُس نے اُسے بازو سے پکڑنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی کاریگر کے چالاک بیٹے نے اپنے کپڑوں کے نیچے چھپائے ہوئے بازو کو اُس کے ہاتھ میں تھما دیا اور اندھیرے کی آڑ لے کر کھسک گیا ۔

چور کی ہوشیاری کی خبر جب بادشاہ کے کانوں تک پہنچی تو اُس کی حیرانی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ۔ آخر

اُسے یہ اعلان کرنا ہی پڑا کہ اگر وہ چالاک آدمی بادشاہ کے سامنے آ کر سب کچھ صاف صاف کہہ دے تو وہ اُسے معاف کر دے گا۔

کاریگر کے بیٹے نے بھی یہ موقعہ مناسب سمجھا اور بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ اُس کی ہوشیاری اور حوصلے کا بادشاہ پر بہت اثر ہُوا اور وعدے کے مطابق اُس نے اپنی شہزادی کا بیاہ اُس کے ساتھ کر دیا۔

گیتا کرشنا تری

مشرقی تبت کی لوک کہانی

جھیل کا کتّا

بہت مدّت کی بات ہے تبت کے مشرقی صوبے کھم میں چھیونگ نام کا ایک لڑکا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔

راجہ نے اُسے ایک چھوٹا سا کتّا دے کر کہا۔ "او بیارے بچے کے نام پر اپنے دُکھ کی بات بھول کر یہ کتّا لو۔ لیکن ایک بات ضرور دھیان میں رکھنا۔ کتّے کو مٹر اپنے سے پہلے کھلانا چاہے کچھ بھی کیوں نہ کھاؤ۔"

ماں خود تو بہت بڑے ٹھاٹھ سے رہتی تھی۔ خوب اچھا کھانا کھاتی اور اچھے کپڑے پہنتی تھی۔ لیکن بیچارے چھیوانگ کو پھٹے چیتھڑے پہننے کو اور صرف مٹر کا موٹا آٹا کھانے کو دیتی تھی۔ یہی نہیں وہ اس سے ہر قسم کا کام لیتی تھی۔ جیسے گوبر اور سوکھے پتے اکٹھے کر کے لانا، لکڑی پھاڑنا، آگ جلانا، دودھ دوہنا، یہاں تک کہ اُسے تبتی بیل۔ یاک، کو بھی پہاڑ پر چرانے کے لئے لے جانا پڑتا تھا۔ اسی سبب سے بے چارہ بہت دُکھی رہتا تھا۔ ایک دن زندگی سے بے زار ہو کر ایک جھیل کے کنارے بیٹھ گیا اور پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔

اس کی دردبھری آہ و زاری سُن کر جھیل کے اندر سے جھیل راجہ کا نیرپا (جائداد کی دیکھ بھال کرنے والا) وہاں پہنچا۔ جس نے اس سے پُوچھا "کیوں بھائی کیوں روتے ہو؟" بیچارے چھیوانگ نے ہچکی لے لے کر بتایا کہ اُسے تمام دن کام کرنا پڑتا ہے۔ یاکوں کو چرانے لے جانا پڑتا ہے۔ اور کھانے کو صرف سڑی مٹر کا آٹا ملتا ہے۔ اب وہ زندگی سے تنگ آ چکا ہے۔

نیرپا بولا "مایوس نہ ہو بھائی۔ تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں جھیل کے راجہ کے پاس لے چلوں گا۔ تم اپنی

آنکھیں بند کرو۔ جب میں کہوں تبھی کھولنا "۔ چھیوانگ نے یہ بات مان لی اور دونوں جھیل میں گھس گئے۔ جب چھیوانگ نے نیرپا کے کہنے پر اپنی آنکھیں کھولیں تو اس نے اپنے آپ کو ایک شان دار محل میں پایا۔ جس کی جگمگاہٹ سے بیچارے کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے اپنی آنکھیں ملیں اور دیکھا تو جھیل کا راجہ اس کے سامنے ایک جگمگاتے ہوئے تخت پر بیٹھا تھا۔ جھیل کے راجہ نے بہت پیار سے اس کے رونے کا سبب پوچھا۔ چھیوانگ نے وہی بات دُہرا دی جو اس نے نیرپا سے کہی تھی راجہ نے اُسے ایک چھوٹا سا کتا دے کر کہا "او پا بھے ' تبتی دیوتا ' کے نام پر اپنے دُکھ کی بات بھول کر یہ کُتا لو لیکن ایک بات ضرور دھیان میں رکھنا کُتے کو ہمیشہ اپنے سے پہلے کھلانا۔ چاہے تم کچھ بھی کیوں نہ کھاؤ۔"

نیرپا نے اُسے پھر آنکھیں بند کرنے کو کہا اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اسی جھیل کے کنارے کھڑا پایا۔ وہ کُتا لے کر گھر چلا گیا۔ لیکن گھر جا کر وہ کُتے کو پہلے کھلانا بھول گیا اور خود کھانا کھا کر اس نے کُتے کے سامنے بچا کھچا ڈال دیا۔ جب کُتے نے یہ دیکھا تو چپ چاپ کھسک گیا۔ چھیوانگ نے اُسے بہت ڈھونڈا لیکن تلاش بے سُود

رہی۔ اب چھیوانگ کو بہت نا اُمیدی ہوئی اس نے پھر اُسی جھیل کے کنارے رونا شروع کر دیا۔

پھر وہی نیرپا پانی سے نکل کر آیا اور اس نے پوچھا "اب کیا دُکھ ہے؟" چھیوانگ نے اُسے بتایا کہ وہ کُتے کو پہلے کھلانا بھول گیا اور اسی سبب سے کُتّا بھاگ گیا نیرپا نے اُسے پھر آنکھیں بند کرنے کو کہا اور اُسے پھر جھیل کے راجہ کے پاس لے گیا۔ راجہ نے پھر اُس سے رونے کا سبب پوچھا۔ چھیوانگ نے وہی بات دُہرا دی جو اُس نے نیرپا سے کہی تھی۔ راجہ نے اُسے کُتّا واپس دے کر کہا کہ "اب ایسی غلطی نہ کرنا یہ تمھارے لئے آخری موقعہ ہے۔"

چھیوانگ خوش ہو کر اپنے گھر آیا اور ہمیشہ کُتّے کو اپنے سے پہلے کھانا کھلانے لگا۔ اس کے بعد ہر روز جب وہ یاک چرا کر گھر واپس آتا تو اُسے دل پسند چیز ملتی جیسا جو کھانا وہ چاہتا اُسے باورچی خانے میں ملتا۔ دولت اُسے اپنے بٹوے میں ملتی۔ اچھے کپڑے اُسے اپنی الماری میں ملتے غرض جس چیز کی وہ خواہش ظاہر کرتا اُسے فوراً حاصل ہوتی اس کی ماں اچنبھے میں تھی کہ آخر یہ سب کچھ آتا کہاں سے ہے؟ ایک دن اُس نے دل میں ٹھانی کہ وہ خود یاک چرانے لے جائے گی اور دیکھے گی۔ یہ سوچ کر اس نے چھیوانگ کو

گھر پر رہنے کی ہدایت کی۔

چھیوانگ خود بھی بہت حیران تھا۔ کہ جب سے اُس کے پاس کتّا آیا ہے۔ اُسے کسی چیز کی کمی نہیں رہی اس راز کو جاننے کے لئے وہ چپ چاپ روشندان پر چڑھ گیا اور جھانک کر دیکھنے لگا کہ کُتّا کیا کرتا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ کتّا اپنی کھال اُتار کر بہت ہی خوبصورت عورت بن گیا ہے۔ وہ عورت جلد ہی کام میں لگ گئی جس چیز کی اُسے ضرورت ہوتی وہ زمین لیپ کر تھپ تھپا دیتی اور وہ چیز اس کے سامنے آ جاتی تجوری میں اس نے چاندی ڈالی تبتی جَو کے ستّو، سمپا کے دیاک کے چمڑے کے) تھیلے میں اس نے سمپا ڈالا' گیہوں کے تھیلے میں گیہوں، چاول کے تھیلے میں چاول' وغیرہ۔ چھیوانگ اُس نوجوان لڑکی کی خوبصورتی پر فریفتہ ہو گیا اور جلد ہی روشندان سے کُود کر اُس نے کُتّے کی کھال آگ میں ڈال دی۔ لڑکی نے کئی بار چھیوانگ سے کھال نہ جلانے کی التجا کی لیکن اُس نے ایک نہ سُنی اور کھال کو جلا کر راکھ کر دیا۔

یہ سب تو ہوا لیکن اب چھیوانگ کو اس بات کا ڈر ہوا کہ اگر کونوال، جونگ پون' کے لڑکے نے اس لڑکی کو دیکھ لیا تو وہ اُس کی خوبصورتی پر مست ہو کر اُسے اپنی بیوی بنا لے گا۔ اسی ڈر سے اس نے اُس لڑکی کے مُنہ پر سیا ہی

مل دی۔ لیکن جب وہ کچھ مدت کے بعد ایک امیر آدمی بن گیا تو اس نے لڑکی کے منہ پر سے سیاہی دھو دی اُسے لڑکی کی خوبصورتی پر فخر تھا۔ اس نے اُس لڑکی کے کئی بُت بنا کر سب رستوں پر لگوا دیئے۔

اُس نے دیکھا کہ کتی اپنی کھال اُتار کر ایک بہت ہی خوبصورت عورت بن گیا ہے۔ وہ عورت جلدی کام میں لگ گئی۔

جب کوتوال کے بیٹے نے ان بُتوں کو دیکھا تو اس کے دل میں لڑکی کو اپنی بیوی بنانے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی اس نے فوراً اپنے جاسوس اس کی تلاش میں بھیجے۔ وہ سیدھے ہجیوانگ کے پاس پہونچے اور بولے اُنہیں کوتوال نے اس لڑکی کو پکڑ کر لانے کا حکم دیا ہے۔ آخر وہ اُسے پکڑ کر لے گئے۔

چھیوانگ کے غصّے کی کوئی حد نہ رہی اس نے کوتوال سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ اس نے سوچا کہ اُسے اپنی دولت کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہو گی لیکن کوئی بھی تھوڑی سی دولت کے لئے کوتوال سے بیر مول لینے کو تیار نہ ہوا۔ بے چارے چھیوانگ کا دل ٹوٹ گیا اور وہ پھر اُسی جھیل کے کنارے بیٹھ کر رونے لگا۔

رونا سُن کر وہی نیرپا جھیل سے باہر آیا۔ اُس نے تعجب سے پوچھا: "اب کیا مصیبت ہے ؟" لڑکے نے جواب دیا۔ جو کُتا جھیل کے راجہ نے مجھے دیا تھا۔ وہ اپنی کھال اُتار کر ایک خوبصورت عورت بن گیا۔ پھر میں نے کھال جلا دی اور اب کوتوال کا لڑکا اس کی خوبصورتی پر مست ہو کر اُسے زبردستی پکڑ لے گیا ہے۔"

نیرپا پھر اُسی طرح اُسے جھیل کے راجہ کے پاس لے گیا۔ اس نے بھی پوچھا کہ اب وہ کس بات پر آنسو بہاتا ہے۔ چھیوانگ نے وہی بات دُہرا دی جو اس نے نیرپا سے کہی تھی۔ اور اس نے راجہ سے سپاہی مانگے تاکہ وہ کوتوال سے لڑ سکے۔ جھیل کے راجہ نے اُسے ایک ڈبّا دیا اور کہا کہ اس ڈبے میں سپاہی بھرے ہوئے ہیں۔ جنگ کے میدان میں اُسے ڈبا کھولنا چاہئے۔ اور للکار کر کہنا چاہئے۔ 'لڑو'

ڈبے کے اندر سے سپاہی نکل کر لڑنا شروع کر دیںگے اس نے ایک بوتل بھی دی اور کہا کہ اس بوتل کو وہ اپنے دشمنوں سے اونچی جگہ کھڑے ہو کر کھولے اور کہے "بہا دو سب کو" چھیوانگ ڈبّا اور بوتل لے کر گھر پہنچا۔ اور اس نے کوتوال کے پاس پیغام بھیجا "لڑکی جلد ہی واپس کرو ورنہ میں چڑھائی کر دوں گا۔"

یہ پیغام سن کر کوتوال کے بیٹے نے ایک ہزار ہتھیار بند سپاہی لے کر چھیوانگ پر چڑھائی کر دی چھیوانگ جلدی سے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور ڈبّا کھول کر چلّایا۔ "لڑو" ڈبے سے سپاہی نکل کر لڑنے لگے۔ جب انہوں نے آدھی فوج ختم کر دی تو چھیوانگ نے انہیں واپس ڈبے میں بلا لیا۔ اس نے بوتل کھولی اور کہا۔ "بہا دو سب کو" پانی کی ایک تیز دھار نے بوتل سے نکل کر باقی سپاہیوں کو جس میں کوتوال اور اس کا لڑکا بھی تھا بہا دیا۔

چھیوانگ قلعے میں گھس کر لڑکی کو نکال لایا اور اس نے اعلان کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ اور کوتوال کی سب زمین اپنے قبضے میں کر لی۔ اس نے بوتل اور ڈبا جھیل کے راجہ کو واپس کر دیا۔ جس کے ساتھ وہ ہمیشہ

دوستی سے رہا۔

اس طرح سکھ کا سورج پہاڑ کی چوٹی پر چمکنے لگا اور دکھ کی سیاہی ندی میں بہ گئی۔

نیرا سکسینہ

فرانس کی ایک لوک کہانی

خدا سب کا ایک ہے

پیرس میں ابراہیم نام کا ایک آدمی اپنی بیوی بچوں کے

بوڑھے نے اُسے معاف کرتے
ہوئے کہا ۔" بیٹا! اب تو
تم سمجھ گئے ہو گے کہ خدا سب
کا ایک ہے ۔"

ساتھ ایک جھونپڑی میں رہتا تھا۔ وہ ایک معمولی اوقات کا عیال دار تھا۔ مگر تھا بہت ایمان دار اور سخی۔ اُس کا گھر شہر سے دس میل دُور تھا۔ اس کی جھونپڑی کے پاس سے ایک پتلی سی سڑک جاتی تھی۔ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو مسافر اسی سڑک سے آتے جاتے تھے۔

رستے میں آرام کرنے کے لئے اور کوئی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مسافروں کو ابراہیم کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا تھا۔ ابراہیم ان کی مناسب خاطر داری کرتا۔ مسافر ہاتھ منہ دھو کر جب ابراہیم کے گھر والوں کے ساتھ کھانے بیٹھتے تو کھانے سے پہلے ابراہیم ایک چھوٹی سی دُعا پڑھتا اور خدا کا اس کی مہربانی کے لئے شکریہ ادا کرتا۔ بعد میں باقی سب آدمی بھی اس دُعا کو دہراتے۔

مسافروں کی خدمت کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ لیکن سب کے دن سدا ایک سے نہیں رہتے۔ زمانے کے پھیر میں پڑ کر ابراہیم غریب ہو گیا۔ اس پر بھی اس نے مسافروں کو کھانا دینا بند نہ کیا۔ وہ اور اس کے بیوی بچے دن میں ایک بار کھانا کھاتے اور ایک وقت کا کھانا بچا کر مسافروں کے لئے رکھ دیتے تھے۔ اس سخاوت سے ابراہیم کو بہت اطمینان ہوتا۔ لیکن ساتھ

ہی ساتھ اُسے کچھ غرور ہو گیا۔ اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ میں بہت بڑا ایمان دار ہوں اور میرا ایمان ہی سب سے اونچا ہے۔

ایک دن دوپہر کو اُس کے دروازے پر ایک تھکا ماندہ بوڑھا آیا۔ وہ بہت ہی کمزور تھا۔ اس کی کمر کمان کی طرح جھک گئی تھی۔ اور کمزوری کے باعث اس کے قدم بھی سیدھے نہیں پڑ رہے تھے۔ اُس نے ابراہیم کا دروازہ کھٹکھٹایا ابراہیم اُسے اندر لے گیا اور آگ کے پاس جا کر بٹھا دیا۔ کچھ دیر آرام کر کے بوڑھا بولا۔ "بیٹا میں بہت دور سے آ رہا ہوں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" ابراہیم نے جلدی سے کھانا تیار کروایا اور جب کھانے کا وقت ہوا تو اپنے قاعدے کے مطابق ابراہیم نے دعا کی۔ اُس دعا کو اس کے بیوی بچوں نے اُس کے پیچھے کھڑے ہوکر دہرایا ابراہیم نے دیکھا وہ بوڑھا چپ چاپ بیٹھا ہے۔ اس پر اس نے بوڑھے سے پوچھا۔ "کیا تم ہمارے مذہب میں یقین نہیں رکھتے؟ تم نے ہمارے ساتھ دعا کیوں نہیں کی؟"

بوڑھا بولا "ہم لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔"

اتنا سُن کر ابراہیم غصّے سے لال پیلا ہو گیا۔ اور اُس

نے کہا

"اگر تم ہمارے خدا میں یقین نہیں رکھتے اور ہمارے ساتھ دُعا بھی نہیں کرتے تو اسی وقت ہمارے گھر سے باہر نکل جاؤ۔"

ابراہیم نے اُسے کھانا دیئے بغیر ہی گھر سے باہر نکال دیا اور دروازہ بند کر لیا۔ مگر دروازہ بند کرتے ہی کمرے میں اچانک روشنی پھیل گئی اور ایک فرشتے نے ظاہر ہو کر کہا۔ ابراہیم یہ تمُ نے کیا کیا؟ یہ غریب بوڑھا سو سال کا ہے خُدا نے اتنی عمر تک اُس کی دیکھ بھال کی اور ایک تمُ ہو جو اپنے آپ کو خُدا کا بندہ سمجھتے ہو اس پہ بھی اُسے ایک دن کھانا نہیں دے سکے صرف اس لیئے کہ اس کا مذہب تمہارے مذہب سے الگ ہے۔ دُنیا میں مذہب چاہے بے شمار ہوں۔ لیکن خُدا سب کا سچا خالق ہے۔ اور سب کا وہی ایک مالک ہے۔"

یہ کہہ کر فرشتہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ ابراہیم کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور وہ بھاگا بھاگا اُس بوڑھے کے پاس پہنچا اور اُس بوڑھے بزرگ سے معافی مانگی۔ بوڑھے نے اُسے معاف کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا اب تو تم سمجھ گئے ہوگے کہ خدا سب کا ایک ہے۔"

یہ سُن کر ابراہیم کو بہت تعجب ہُوا۔ کیونکہ یہی بات اُس سے فرشتے نے بھی کہی تھی۔

لومڑی ہوئی رکھوالن

پُرانے زمانے میں ناروے کے مُلک میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ جس کے پاس بہت سی بطخیں تھیں۔ بطخوں کو چرانے کے لئے اُس کے پاس پہلے ایک لڑکی رہا کرتی تھی۔ لیکن وہ کسی سبب سے بھاگ گئی۔ اب بڑھیا ہی کو ان بطخوں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی۔

بڑھیا کو اس بات سے بڑی پریشانی تھی۔ کیوں کہ گھر کے سارے کام کاج سنبھالنا، ساتھ ہی ان بطخوں کی دیکھ بھال کرنا بہت مشکل کام تھا۔ پھر صرف اتنی ہی بات نہیں تھی۔ ہر ہفتہ بازار میں جا کر کچھ بطخوں کو بیچنے کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ تاکہ گھر کے دوسرے خرچ بھی چلیں۔ بہت دنوں تک ایسا ہوتا رہا کہ وہ گھر کا کام کاج بھی سنبھالتی رہی۔ بطخوں کو بھی چراتی رہی اور ساتھ ہی ہفتے میں کم سے کم ایک دفعہ بازار جا کر سودا سلف بھی، لاتی تھی۔

آخر کار وہ اتنی پریشان ہو گئی۔ کہ ایک دن کمر کس کر اس

وہ بولی — "اگر تم نے اس طرح انھیں پکڑا تو وہ سب کی سب
تو دو گیارہ ہو جائیں گی۔ تم سے میرا کام نہیں چلنے کا ــــــ"

ارادے سے باہر نکلی کہ آج بطخوں کے لئے کوئی رکھوالن لڑکی ڈھونڈ کر ہی دم لے گی۔ منہ اندھیرے ہی وہ گھر سے چل پڑی۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئی تھی۔ کہ ایک بڑے بڑے روئیں والا ریچھ آسے ملا لیکن بڑھیا ڈری نہیں۔ کیونکہ وہ تو اسی علاقے کی تھی اور ریچھوں سے آئے دن سابقہ پڑتا ہی رہتا تھا۔ بڑھیا نے ریچھ سے کہا "سلام"

ریچھ نے جواب دیا۔ "سلام امّاں جان اتنے سویرے آج کہاں جا رہی ہو ؟"

بڑھیا نے کہا۔ "آج میں اپنی بطخوں کے لئے ایک رکھوالن لڑکی ڈھونڈ نے نکلی ہوں اور پہاڑ کی طرف جا رہی ہوں۔"

ریچھ نے کہا۔ "بھلا یہ کون سی ایسی بات ہے۔ جس کیلئے تم اتنی پریشان ہو رہی ہو۔ اگر تم چاہو تو میں ہی اس کام کو کر سکتا ہوں۔ بیکار ہی تو بیٹھا رہتا ہوں۔ اگر بیٹھے بیٹھے تمہارا کچھ کام مجھ سے نکل جائے تو برا کیا ہے! پڑوسیوں کو ایک دوسرے کی مدد تو کرنی ہی چاہئے۔"

بڑھیا بولی۔ "زمانے کو دیکھتے ہوئے تمہاری یہ تجویز بہت عمدہ ہے۔ مگر ہر آدمی کو ہر کام جچتا نہیں۔ تمہاری آواز اتنی بھونڈی ہے کہ اُسے سنتے ہی ساری بطخیں پریشان ہو

جائیں گی۔ مجھے ڈر ہے کہ تم انھیں اس طرح پکار نہیں سکتے۔ جس طرح میں انھیں پکار سکتی ہوں۔''

ریچھ نے کہا۔"واہ اماں جان میں چاہوں تو سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے گلے سے میٹھی آواز نکالنے کی کوشش کی اور بولا۔"دیکھو میری آواز کتنی میٹھی ہے۔"

لیکن بڑھیا نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور بولی "بیٹا یہ تمہارا کام نہیں۔ تمہاری میٹھی آواز ایک بیل کو ڈرانے کے لئے بھی کافی ہے۔ بلخ بے چاری کی بات تو دور رہی۔"

یہ کہہ کر وہ چل پڑی تھوڑی دیر بعد ایک بھیڑیئے سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے بھیڑیئے سے کہا۔" سلام "..... یہ بات اس نے اسی انداز سے کہی جیسے ریچھ سے کہی تھی۔

بھیڑیا بولا۔" سلام سلام، اماں جان! آج تم اتنے سویرے کہاں جا رہی ہو۔"

بڑھیا بولی۔"میں اپنی بلخوں کے لئے ایک رکھوالن لڑکی ڈھونڈنے جا رہی ہوں۔"

بھیڑیئے کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ چوکنا ہو کر بولا۔"تم کہاں ماری ماری پھروگی؟ میں بلخوں کی رکھوالی کا کام بہت اچھی طرح کروں گا۔ تم ایک بار حکم تو دے دو پھر دیکھو کہ

میں کیسا کام کرتا ہوں ۔"

بڑھیا بولی ۔" مجھے یہ تو معلوم ہے کہ تم دوڑ اچھی لگا لیتے ہو اور کوئی بطخ بھاگ کر تمہارے سامنے سے جا نہیں سکتی لیکن کیا تم اُسی طرح سے بطخوں کو پکار سکتے ہو۔ جس طرح میں پکارتی ہوں ۔"

بھیڑیے کی چیخ اتنی زوردار اور ڈراؤنی تھی کہ بڑھیا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ بولی " کہیں تم نے اس طرح اُنہیں پکارا تو وہ سب کی سب نو دو گیارہ ہو جائیں گی۔ تم سے میرا کام نہیں چلے گا۔"

یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئی اور پہاڑی رستے پر چلنے لگی اتنے میں ایک لومڑی دکھائی پڑی ۔ لومڑی نے کہا "سلام اماں جان ! تم آج سویرے سویرے کہاں جا رہی ہو ؟ کیا میں تمہاری کچھ خدمت کر سکتی ہوں ؟"

بڑھیا بولی " بغیر کام کے کون بھلا اتنا سویرے نکل پڑے گا ؛ میں تو گھنٹے دو گھنٹے گھر پر اور رہنا چاہتی تھی ۔ لیکن اپنی بطخوں کے لئے رکھوالن لڑکی ڈھونڈنا اتنا ضروری ہو گیا ہے کہ مجھے نکلنا پڑا ۔ بات یہ ہے ۔ کہ میری رکھوالن لڑکی بھاگ گئی ہے ۔"

لومڑی نے کہا " واہ اتنی سی بات کے لئے تم ماری

اُس نے مڑ کر دیکھا کہ لومڑی مکھن بھی لے رہی ہے۔ تو اس نے اس برتن کو اُٹھا کر لومڑی پر دے مارا۔ لومڑی تیزی سے بھاگی۔ لیکن کچھ مکھن اُس کی دم پر لگ گیا۔

ماری پھر رہی ہو ؛ میں بطخوں کی رکھوالی کرنے میں بہت
ہوشیار ہوں ۔ مجھے لے چلو اور بطخوں کی طرف سے بےفکر ہوکر
اپنا کام کرو ۔"

اب تک بڑھیا چلتے چلتے بہت پریشان ہو گئی تھی
اس لئے اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ لومڑی کو اپنی بطخوں
کی رکھوالی کا کام سونپنا منظور کر لیا ۔ اُس نے اُس سے
نہ کوئی اور سوال کیا اور نہ یہ دیکھا کہ اُس میں اُس کام
کے لئے کوئی لیاقت ہے بھی کہ نہیں وہ بولی ۔ اچھا چلو
میرے ساتھ میں دیکھوں گی کہ تم کیسا کام کرتی ہو۔ اگر تم
سے کام ٹھیک نہ ہو سکا۔ تو یاد رکھنا کہ میں تمھیں
اُسی وقت نِکال دُوں گی ۔''

لومڑی راضی ہوگئی اور بڑھیا کے ساتھ اس کے گھر
پہنچی ۔ وہ پہلے دن رکھوالی کے لیئے لگی تو اُس نے چھ
بطخوں کو کھا لیا ۔ اگلے دن بھی اُس نے ایسا ہی کیا
بُڑھیا بے چاری کو اس کا کچھ پتہ نہیں لگا ایک
تو اُسے دکھائی کم دیتا تھا اور دوسرے اُسے گنتی بھی
اچھی طرح نہیں آتی تھی ۔ لومڑی ان باتوں کا فائدہ
اُٹھا کر ہر روز مزے سے بطخوں کا ناشتہ کرتی رہی۔
اس طرح ہوتے ہوتے ایک دن حالت یہاں تک

پہنچ گئی کہ ایک بھی بطخ باقی نہ رہی۔

جب یہ حالت ہو گئی اور لومڑی بڑھیا کے پاس آئی تو اُس نے دیکھا کہ ایک بھی بطخ نہیں ہے۔ بڑھیا نے پوچھا۔ "تم نے بطخوں کو کہاں چھوڑ دیا؟"

لومڑی تو جواب کے لئے تیار ہی بیٹھی تھی، بولی — "وہ تالاب کے کنارے ہیں۔ معلوم نہیں کیا ضد پکڑ گیئں۔ کہ آج میرے بُلانے پر آئیں نہیں۔"

بُڑھیا بولی۔ "مجھے ایسا ہی کچھ ڈر تھا۔ مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ کہ تم اچھی رکھوالن نہیں ہوسکتیں اچھی بات ہے میں خود ہی اُنھیں ساتھ لانے کے لئے جاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے مکھن کا برتن زمین پر رکھ دیا اور تالاب کی طرف روانہ ہو گئی۔

لومڑی نے سوچا کہ بطخیں تو مِلنے سے رہیں، بُڑھیا کے واپس آنے تک یہاں سے کھسک جانا چاہیئے۔ لیکن اُس نے جو اپنے سامنے مکھن کا برتن دیکھا تو اُس کا جی للچا گیا اور وہ مکھن کھانے لگ گئی۔ ابھی وہ آدھا بھی نہ کھا چکی تھی کہ بُڑھیا اُدھر سے چیختی چلاتی واپس آئی۔ تالاب کے کنارے بطخوں کی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ انھیں دیکھ

کر وہ سمجھ گئی۔ کہ شریر لومڑی نے اُنھیں کھا لیا وہ بہت غصّے میں تھی اور اب اُس نے اُس برتن کو اٹھا کر لومڑی پر دے مارا۔ لومڑی بہت زور سے دوڑی لیکن کچھ مکھّن اُس کی دُم پر لگ گیا۔ تب سے لومڑی کی دُم پر سفید داغ ہوتے ہیں۔ اُس لومڑی کی نسل میں جتنے بھی پیدا ہوئے سب کی دُموں پر اس طرح کے داغ پائے گئے جب بھی ناروے کا کوئی بچّہ کسی لومڑی کی دُم پر سفید داغ دیکھتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ یہ اُسی لومڑی کی نسل سے ہے جس نے بڑھیا کی بطخوں کو کھا لیا تھا۔

بارہ بھائی

وہ شاہ بلوط کے درخت پر چڑھ کر شاہی محل کے گنبد کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اُسے محسوس ہوا کہ گنبد پر کوئی جھنڈا لہرایا جا رہا ہے۔

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ وہ اپنی ملکہ کے ساتھ سُکھ سے رہا کرتا تھا۔ اُس کے بارہ بیٹے تھے اور بیٹی کوئی نہ تھی۔ جب ملکہ کی تیرھویں اولاد پیدا ہونے کا وقت آیا۔ تو بادشاہ نے ایک دن ملکہ سے کہا۔ "اگر اس بار ہمارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو میں

بارھوں بیٹوں کو مار ڈالوں گا۔ تاکہ وہ لڑکی میرے راج پاٹ کی مالک بن جائے " آتنا سُن کر ملکہ کو نہایت دُکھ ہُوا ۔ وہ دن بھر آنسو بہاتی رہی ۔

ملکہ کا چھوٹا لڑکا اس کے ساتھ ہی رہا کرتا تھا اُس کا نام بنجامن تھا ۔ ماں کو اُداس دیکھ کر اُس نے پوچھا ۔"ماں تمُ دُکھی کیوں ہو ؟"

"میرے لال ! " رانی نے آنچل سے آنسو پُونچھتے ہوئے کہا ۔" یہ بات تمہارے جاننے کی نہیں ہے ۔"

لیکن بنجامن اپنی ہٹ پر اڑا رہا اور آخر ملکہ کو سارا قِصّہ سُنانا ہی پڑا ۔

ماں کی ساری باتیں سُن کر اُس نے کہا " ماں تمُ روؤ نہیں ۔ ہم اپنی حفاظت کے لئے یہاں سے کہیں دُور چلے جائیں گے ؟"

" ہاں " ملکہ نے کہا " تمُ اپنے گیارھوں بھائیوں کے ساتھ جنگل میں چلے جاؤ وہاں پر جو سب سے اُونچا درخت ہو اس پر چڑھ کر باری باری سے شاہی محل کے گنُبد کی طرف دیکھتے رہنا اگر تمہارا بھائی پیدا ہوا تو میں گنبد پر سفید جھنڈا لہرا دوں گی جسے دیکھ کر تمُ لوگ واپس آجانا لیکن اگر لڑکی پیدا ہُوئی تو

تمھیں گنبد پر لال رنگ کا جھنڈا لہراتا ہوا دکھائی دیگا
تب تم لوگ کہیں اور بھاگ جانا شاید اس طرح
تمھاری جان بچ سکے۔"

اس کے بعد ماں کی دعائیں لے کر تمام بھائی
جنگل کی طرف چل دیئے۔ وہاں انھوں نے شاہ بلوط
کا ایک درخت چنا اور باری باری سے اس پر چڑھ
کر پہرا دینے لگے۔

اس طرح گیارہ دن بیتنے پر بنجامن کی باری آئی
اور وہ شاہ بلوط کے درخت پر چڑھ کر شاہی
محل کے گنبد کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اُسے دکھائی دیا جیسے گنبد پر
کوئی جھنڈا لہرایا جارہا ہو۔ پھر بنجامن نے جھنڈے کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا
ہوا کہ اُس کا رنگ سفید نہیں بلکہ تازہ خون
جیسا بالکل لال تھا۔ جو اُن کی موت کی علامت تھی

جب بھائیوں نے بنجامن سے جھنڈے کے بارے
میں سُنا تو اُن کے غصے کی انتہا نہ رہی وہ
بولے۔ "صرف ایک لڑکی کے لئے ہم سب کی
جان کیوں لی جانی چاہئے؟ ہم اس کا بدلہ لیں گے
جہاں کہیں ہمیں کوئی لڑکی ملے گی۔ اُسے ہم ضرور
قتل کر دیں گے۔"

اس کے بعد وہ جنگل میں آگے بڑھ گئے زیادہ چلنے پر اُنھیں وہاں ایک کُٹیا دکھائی دی جو دُور سے دیکھنے پر کسی جادُو گر کا ڈیرا نظر آتی تھی۔ کُٹیا کو خالی پا کر اُنھوں نے فیصلہ کیا "ہم لوگ اب یہیں رہیں گے اور بنجامن چونکہ تم سب سے چھوٹے اور کمزور ہو یہیں رہ کر کُٹیا کی دیکھ بھال کیا کرو۔ ہم لوگ خوراک کا انتظام کیا کریں گے۔"

اسی طرح اُن لوگوں نے ایک ایک کر کے اپنی زندگی کے دس برس اُسی کُٹیا میں گزار دیئے وقت بڑی تیزی سے گذر رہا تھا۔ اِدھر شاہی محل میں وہ لڑکی بھی بڑی ہو گئی۔ وہ جیسی نیک اور رحم دل تھی ویسی ہی اُس کی صورت بھی لُبھانے والی تھی۔ اُس کے ماتھے پر سونے کا ایک ستارہ ہر وقت لٹکتا رہتا تھا۔ ایک بار جب شاہی محل میں کسی جشن کے لیے صفائی کی جا رہی تھی۔ تو اُس شہزادی نے باہر سُوکھتی ہوئی چھوٹی بڑی بارہ قمیضوں کو دیکھا اُس نے ملکہ سے پُوچھا۔ "ماں یہ قمیضیں کس کی سُوکھ رہی ہیں؟ اتنی چھوٹی قمیضیں ابّا جان کی تو ہو نہیں سکتیں!"

ملکہ نے ایک لمبی سانس لے کر کہا: میری بچی یہ قمیضیں تیرے بارہ بھائیوں کی ہیں۔"

"میرے بارہ بھائی!" شہزادی نے اچنبھے میں آ کر کہا۔ "یہ کس طرح ممکن ہے؟ میں نے تو آج تک اُن کے بارے میں کچھ سُنا ہی نہیں۔ آخر وہ سب ہیں کہاں؟"

"خدا ہی جانے" ملکہ نے بھرآئی ہوئی آواز میں کہا۔ "بے چارے اس وقت نہ جانے کہاں بھٹک رہے ہوں گے" پھر ملکہ نے شہزادی کو بتایا کہ کس طرح لڑکی کے پیدا ہونے پر بادشاہ نے بیٹوں کو مار ڈالنے کا عہد کر لیا تھا۔

"اوہ ماں تم روؤ مت!" ساری بات سُن کر شہزادی نے کہا۔ اب میں اپنے بھائیوں کو ڈھونڈ لاؤں گی۔"

اگلے دن شہزادی اپنے ساتھ بارھوں قمیضیں لے کر جنگل کی طرف چل پڑی۔ وہ دن بھر بھائیوں کی تلاش میں گھومتی پھری اور شام ہوتے ہوتے اُسی کٹیا کے پاس جا پہنچی۔ کٹیا میں داخل ہونے پر اُسے بنجامن دکھائی دیا۔ بنجامن نے پوچھا تم کون ہو؟ کہاں

سے آئی ہو؟"

"میں ایک بادشاہ کی بیٹی ہوں۔" شہزادی نے بتایا۔ "اور میں اپنے بارہ بھائیوں کو ڈھونڈ رہی ہوں" یہ کہہ کر اُس نے بنجامن کو بارھوں قمیضیں دکھا دیں۔

بنجامن فوراً سمجھ گیا کہ یہ اس کی بہن ہے۔ اُس نے خوش ہو کر کہا کہ میں تمھارا چھوٹا بھائی بنجامن ہوں۔"

اب دونوں بھائی بہن گلے ملے۔ خوشی کے جوش میں ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"پیاری بہن!" بنجامن نے کچھ سنبھلنے کے بعد کہا "میں تمھیں ایک بات بتا دوں۔ ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے۔ کہ جس لڑکی کو بھی ہم پا جائیں گے اُسے جان سے مار ڈالیں گے۔ کیونکہ لڑکی ہی کے سبب اپنا راج پاٹ چھوڑنا پڑا تھا۔"

شہزادی نے کہا۔ "اب مجھے مرنے کا کوئی رنج نہیں۔ میرے مرنے پر میرے بھائیوں کی جان تو بچ جائے گی۔"

"نہیں" بنجامن بولا "میں تمھیں اب مرنے نہ دونگا تم اس لکڑی کے صندوق میں چھپ جاؤ۔ دوسرے بھائیوں کے واپس آنے پر میں سب سے بھگت لونگا"

شہزادی بنجامن کے کہنے مطابق چھپ گئی۔ سورج ڈوبنے پر باقی گیارہ بھائی شکار سے واپس آئے جب وہ سب لوگ کھانا کھانے بیٹھے تو ایک بھائی نے پوچھا "آج کی کوئی تازہ خبر ہے۔"

"ہاں ہاں" بنجامن بولا: لیکن سننے سے پہلے وعدہ کرو۔ کہ جس پہلی لڑکی کو تم دیکھو گے زندہ چھوڑ دوگے"

"بہت اچھا" سب بھائی ایک ساتھ بول اٹھے۔

"ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیں گے۔ اب جھٹ پٹ خبر سناؤ۔"

"یہاں ہماری بہن ہے" بنجامن نے کہا اور صندوق کا ڈھکنا الٹ دیا۔ شہزادی خوشی کے جوش میں جھومتی ہوئی باہر نکل آئی۔ وہ شاہی پوشاک پہنے ہوئے تھی اس کے ماتھے پر سونے کا تارا جھول رہا تھا۔ وہ بہت ہی خوبصورت بھولی اور دلکش نظر آ رہی تھی بہن کو پاکر سب بھائی خوش ہو اٹھے۔ وہ اس سے گلے ملے۔ انھوں نے اس کے ماتھے کو بار بار چوما اور اسے خوب ہی پیار کیا۔

اب شہزادی بنجامن کے ساتھ ہی رہنے لگی اور گھر کے کام میں ہاتھ بٹانے لگی۔

اُس کی کُٹیا کے پاس ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ اُس میں سوسن کے بارہ پھول کھِلے ہوئے تھے۔ شہزادی نے سوچا کہ اگر یہ پھول توڑ کر بھائیوں کی قمیضوں میں لگا دیئے جائیں تو کتنا اچھا رہے۔ لیکن اُس نے جیسے ہی اُن پھولوں کو توڑا اس کے بارھوں بھائی ہنس بن کر جنگل کے اُوپر دُور آسمان میں اُڑ گئے ساتھ ہی اُس کی کُٹیا اور وہ باغیچہ بھی غائب ہو گیا۔ اب وہ اس جنگل میں اکیلی رہ گئی اور آنکھیں پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اُسی وقت اُسے ایک بڑھیا دکھائی دی۔

"میری بچّی" بڑھیا نے کہا "تمھیں اِن پھولوں کو توڑنے کی کیا سُوجھی؟ وہی تمھارے بارہ بھائی تھے۔ جو اب ہمیشہ کے لئے ہنس بن کر اُڑ گئے۔"

شہزادی کے مُنہ سے آہ نکلی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دھارا بہہ نکلا۔ اُس نے روتے روتے پوچھا۔"کیا اب کوئی تدبیر نہیں۔ جس سے وہ پھر اپنی اصلی صورت میں آ سکیں؟"

اس نے جیسے ہی اُن پھولوں کو توڑا اُس کے بارہوں بھائی
ہنس بن کر جنگل کے اوپر آسمان میں اُڑ گئے۔

"نہیں" بڑھیا بولی۔ "اب ان کا اصلی صورت
میں آنا مشکل ہے لیکن ایک تدبیر ہے۔ جو تمہارے
لیے آسان نہیں۔ تمھیں سات سال تک چپ رہنا

پڑے گا۔ نہ تم بول سکو گی نہ ہنس سکو گی۔ اور اگر تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا تو تمہارے سب بھائی اُسی وقت مر جائیں گے۔"

اس پر شہزادی نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بھائیوں کو پھر سے پا لے گی وہ جنگل میں سب سے اونچے شاہ بلوط کے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ اب نہ تو وہ بولتی تھی اور نہ ہنستی تھی۔ دن بھر بیٹھی بیٹھی وہ صرف سوت کاتا کرتی تھی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک شہزادہ اُس جنگل میں شکار کھیلنے آیا۔ اور تھک کر اسی درخت کے نیچے آرام کرنے لگا۔ اوپر بیٹھی ہوئی شہزادی کو دیکھ کر وہ اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ اور اُس نے شہزادی سے شادی کی درخواست کی۔ جواب میں شہزادی نے فقط سر ہلا کر اپنی منظوری دے دی۔

اب شہزادے نے درخت پر چڑھ کر شہزادی کو نیچے اتارا اور گھوڑے پر بٹھا کر گھر چلا آیا وہاں اُس نے شہزادی سے شادی کر لی اور

مزے سے رہنے لگا۔ لیکن اب بھی شہزادی نہ تو کسی سے بولتی اور نہ کسی بات پر ہنستی تھی۔

اسی طرح شہزادی کے کچھ دن سُکھ سے گذر گئے۔ لیکن شہزادے کی ماں کو جو دل کی بُہت بُری تھی شہزادی کا گُم صُم رہنا گوارا نہ ہوا۔ اُس نے شہزادے سے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ تم کسی بھکارن کو گھر میں لے آئے ہو۔ وہ اگر گونگی بہت تو کم سے کم ہنس تو سکتی ہے۔ جو شخص ہنستا تک نہیں اس کا دل ضرور کالا ہوتا ہے"۔

پہلے تو شہزادے نے ملکہ کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔ لیکن آخر کار اُسے ملکہ کی من گھڑت باتوں پر یقین آگیا۔ اور اس نے شہزادی کو موت کی سزا دے دی۔

شاہی محل کی چار دیواری میں ایک بُہت بڑا الاؤ لگایا گیا۔ شہزادی کو الاؤ کے پاس ایک کھونٹے سے کس کر باندھ دیا گیا۔ آگ کی لپٹیں شہزادی کے کپڑوں کو چھونے لگیں۔ لیکن اُسی وقت سات برس چُپ رہنے کا آخری پل بھی گزر گیا۔ اور یکایک آسمان سے پر پھڑ پھڑاتے ہوئے

بارہ ہنس شاہی محل کے آنگن میں اترے ۔ زمین پر آتے ہی وہ بارہ ہنس انسان بن گئے ۔ وہ سب شہزادی کے بھائی ہی تھے ۔ اور اب جادو کا اثر اُن پر سے جاتا رہا تھا۔ سب بھائیوں نے مل کر فوراً ساری لکڑیاں ہٹائیں اور آگ بجھا دی۔ پھر اپنی پیاری بہن کے بندھن کاٹ کر اُسے خوب پیار کیا اب شہزادی خوب ہنس بول سکتی تھی ۔ اُس نے اپنے شوہر کو بتایا۔ کہ وہ کیوں اب تک گونگی بنی رہی ۔ اور ہنستی تک نہ تھی ۔ شہزادہ بھی بیوی کو بے گناہ پاکر خوشی سے کھل گیا اور ان کی زندگی سُکھ چین سے گذرنے لگی ۔

اُس کی شریر ساس کو پھر دربار میں پیش کیا گیا اور سب کی رائے پر اُسے موت کی سزا دی گئی ۔

دانا کسان

ایک دن ایک کسان اپنا کھیت جوت رہا تھا۔ اُسی وقت بادشاہ اُس رستے سے گزرا۔ وہاں وہ ٹھہر گیا اور اُس نے کسان سے پوچھا "تم ایک دن میں کتنا کما لیتے ہو؟"

کسان نے جواب دیا "میں صرف چار آنے کما سکتا ہوں۔"

بادشاہ نے پوچھا "تم انھیں کیا کرتے ہو؟"

کسان نے جواب دیا۔ "ایک آنے میں کھانا کھاتا ہوں دوسرا ادھار دیتا ہوں۔ تیسرا چکا دیتا ہوں اور چوتھا کنوئیں میں پھینک دیتا ہوں۔"

بادشاہ اُس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ اس لئے اُس نے کسان سے صاف صاف بتانے کو کہا۔ کسان نے جواب دیا۔ "حضور پہلے سے میں اپنی اور اپنی بیوی کی پرورش کرتا ہوں۔ دوسرا میں بچوں کو کھلا پلا

کسان نے جواب دیا "ایک سے میں کھاتا ہوں۔ دوسرا اُدھار دیتا ہوں
تیسرا چُکا دیتا ہوں اور چوتھا کنوئیں میں پھینک دیتا ہوں

دیتا ہوں۔ وہ مجھے بدلہ دیں گے۔ یعنی جب میں
بوڑھا اور کمزور ہو جاؤں گا اور کام کرنے کے
قابل نہ رہوں گا تو وہ میری خدمت کر کے مجھے واپس
چُکا دیں گے۔ تیسرے سے میں اپنے باپ کو کھلاتا

ہوں۔ اس طرح جو کچھ پہلے وقتوں میں انھوں نے میرے لئے کیا ہے۔ میں اس کا قرض چکاتا ہوں۔ چوتھا خیرات میں چلا جاتا ہے۔ جس کے لئے میں اس دنیا میں کسی انعام یا پھل کی اُمید نہیں رکھتا۔

بادشاہ بہت خوش ہوا اور اُس نے کسان سے کہا۔ کہ جب تک تم میرا منہ سو بار نہ دیکھ لو اُس وقت تک ان سوالوں کا جواب کسی سے بھی نہ کہنے کا وعدہ کرو۔ کسان نے کسی کو بھی اس کا جواب نہ بتانے کا وعدہ کیا اور اپنے کام میں لگ گیا۔

دوسرے دن جب بادشاہ اپنے وزیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اُن سے پوچھا۔ آپ لوگوں کے لئے ایک سوال جواب دینے کے لئے ہے۔ اس ملک میں ایک کسان ہے جو چار آنے روز کماتا ہے پہلا وہ کھاتا ہے دوسرا اُدھار دے دیتا ہے۔ تیسرا چکا دیتا ہے اور چوتھا کنوئیں میں ڈال دیتا ہے۔" وزیروں نے بہت سر پٹکا۔ لیکن اس کا جواب نہ سمجھ سکے۔

وزیروں میں سے ایک کو یہ پتہ تھا کہ بادشاہ کی کل ایک کسان سے بات چیت ہوئی ہے۔ اس

سلئے وہ اُسی کسان کے پاس گیا اور اس نے بادشاہ کے ذریعے اُن سے جو سوال پوچھا گیا تھا۔ اس کا مطلب بتا دینے کی درخواست کی۔

کسان نے کہا "مجھے بہت افسوس ہے۔ جب تک میں بادشاہ کا سو بار منہ نہ دیکھ لوں میں آپ کو اس سوال کا جواب نہیں بتا سکتا۔" وزیر فوراً کسان کا مطلب سمجھ گیا۔ اس نے سونے کے سَو سکّے کسان کو دیئے جن پر بادشاہ کی مُہر تھی۔ اب کسان نے اس سوال کا جواب بتا دیا۔

وزیر جواب معلوم کر کے راجہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے سُن کر کہا "تمُ نے ضرور اُس کسان سے اِس کا مطلب پُوچھا ہے۔"

بادشاہ نے کسان کو بُلایا اور اس سے پُوچھا "تمُ نے اپنا وعدہ پُورا کیوں نہیں کیا؟"

کسان نے جواب دیا۔ "حضور! وزیر صاحب کو جواب بتانے سے پہلے میں نے آپ کا چہرہ سو بار دیکھ لیا تھا"

اب اس نے راجہ کو سونے کی سو مہروں کی تھیلی دکھائی۔ بادشاہ کسان کی دانائی سے اتنا زیادہ خوش ہوا کہ اس نے اُسے سونے کے اور سو سکّے انعام میں دے دیئے۔

موہن سنگھ ساونت

ایک ریڈ انڈین لوک کہانی

سُورج کی تلاش میں

بہت پُرانے زمانے کی بات ہے۔ اُس وقت جنگ کا

نوجوان نے اپنی پڑیا سے دونوں پر نکال کر اُسے دے دئے اور کہا۔
"سورج دیوتا نے تمہارے لئے یہ پر بھیجے ہیں۔ وہ تم سے خوش ہیں۔"

نام و نشان بھی نہیں تھا۔ سب قومیں امن سے رہا کرتی تھیں
اس زمانے میں ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ کئی لوگ اس سے شادی
کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب کبھی اُس سے شادی کرنے کے لئے کہا
جاتا تو وہ اپنا سر ہلا کر کہتی "میں شادی نہیں کروں گی۔"

اُس کے گاؤں میں ندی کے کنارے ایک خوبصورت غریب
نوجوان رہتا تھا۔ اُس کے ایک گال پر زخم کا داغ تھا۔ اس ندی میں
پانی بھرنے کے لئے جس گھاٹ پر عورتیں جایا کرتی تھیں وہیں
وہ نوجوان اس خوبصورت لڑکی کی راہ دیکھا کرتا تھا۔

اس لڑکی کو دیکھ کر اس نوجوان نے کہا۔ تم نے دولت
مندوں کو بھی دھتکار دیا ہے۔ اور میں تو کنگال ہوں۔ بالکل
کنگال۔ میرے پاس گھر بار اور کھانے پہننے کو نہیں ہے۔ خاندان
نام کی چیز میرے ہاں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ میرے سب بھائی
بند موت کا لقمہ بن چکے ہیں۔ پھر بھی میں تم سے رحم کی بھیک
مانگتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ تم میری بیوی بنو۔"

اس لڑکی پر نوجوان کی عاجزی کا بہت اثر ہوا۔ کچھ
سوچ کر وہ بولی "میں نے دولت مندوں کو بھی دھتکار
دیا ہے یہ سچ ہے۔ پھر بھی ایک کنگال مجھ سے شادی کرنا
چاہتا ہے۔ اس بات نے میرے دل میں شوق پیدا کر دیا ہے
میں تمھاری بیوی بن سکتی ہوں۔ میرے باپ تمھیں کھانے پینے

کے سامان سے مالا مال کر دیں گے۔"

نوجوان باغ باغ ہو گیا۔ لیکن لڑکی نے کہا "میں سورج دیوتا کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔ اسی لئے میں کہتی ہوں کہ تم جا کر سورج دیوتا سے کہو۔ اے دیوتا! وہ تمہاری باتوں پر اب تک قایم ہے۔ اُس نے اب تک کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔ لیکن اب وہ شادی کرنا چاہتی ہے۔ اور میں اُسے بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ اُن سے اپنے گال کا داغ مٹانے کی بھی درخواست کرنا۔ یہ داغ مٹ جائے گا تو سمجھوں گی کہ سورج دیوتا خوش ہیں۔ اگر وہ نہ مانیں یا تم ان کا ٹھکانہ ہی نہ پا سکے تو بُرا شگون سمجھوں گی۔ پھر تمھیں میرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

دل شکستہ نوجوان بول اٹھا۔" اوہ! پہلے تم نے کتنی میٹھی باتیں کہیں۔ مگر اب تم یہ کیا کہنے لگیں؟ نہ جانے سورج دیوتا کا آشرم کتنی دور ہے اور نہ جانے وہ رستا کدھر ہے۔ جس سے ہو کر آج تک کوئی نہیں جا سکا۔"

"حوصلے سے کام لو۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔"

دُکھی نوجوان نے بالکل اکیلے سفر کیا۔ جاتے وقت مُڑ کر اُس نے اپنی جھونپڑی کی طرف آخری بار دیکھا۔ اُسے یُوں محسوس ہوا جیسے اب وہ پھر پلٹ کر نہیں آ سکے گا۔ اُس

نے دل ہی دل میں سورج دیوتا سے التجا کی "اے سورج دیوتا مجھ پر رحم کرو!" اور وہ سورج دیوتا کے آشرم تک جانے کی راہ ڈھونڈتے ہوئے روانہ ہو گیا۔

'پریری' کے میدانوں، درختوں اور جھاڑیوں سے بھری ندیوں اور پہاڑوں کو پار کرتا ہوا وہ بڑھتا گیا۔ لیکن روز بروز اس کے کھانے کی چیزوں کا بورا ہلکا ہوتا گیا۔ راہ میں اس نے لومڑی دیکھ اور ریچھ کے سے جانور بیرز (ریچھ جیسا جانور) سے سورج دیوتا کے شہر کا پتہ پوچھا۔ لیکن کسی کو اس راہ کا پتہ نہ تھا۔ آخر کار ایک بھیڑیے نے بتایا کہ اس کا رستہ سمندر سے ہو کر جاتا ہے۔ اس نے کہا: "سورج دیوتا اِس سمندر کے اُس پار رہتے ہیں۔"

بہت دنوں کے بعد نوجوان سمندر کے کنارے جا پہنچا۔ مگر وہاں پہنچنے پر اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اُسے سمندر کا دوسرا کنارہ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ پانی کی کہیں انتہا نہیں تھی۔

جس وقت وہ بے پناہ سمندر کی طرف بے کسی کی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ اُس وقت دو ہنس کنارے پر آ پہنچے اور اُنھوں نے پوچھا۔ "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

نوجوان نے جواب دیا "موت ہی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے یہاں سے بہت دور ہمارے ملک میں ایک خوبصورت لڑکی

ہے ۔ میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں ۔ مگر وہ سورج دیوتا کے ماتحت ہے ۔ میں اُس لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے سورج دیوتا سے اجازت لینے آیا ہوں ۔ مگر سورج دیوتا کا آشرم تلاش ہی نہیں کر سکا ہوں ۔ اب میں اس بے انتہا سمندر کو پار کر کے واپس نہیں جا سکوں گا ۔ اور اِس طرح آخر میں یہیں مر مٹوں گا ۔"

ہنسوں نے کہا :" نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا ۔ پانی کے اس وسیع ذخیرے کے پار سورج دیوتا کا آشرم ہے ۔ ہم لوگ تمھیں وہاں تک پہنچا دیں گے ۔"

اس کے بعد ہنسوں نے اُسے دوسرے کنارے تک بغیر تکلیف کے پہنچا دیا ۔ اور کہا :" اب تم سورج دیوتا کے آشرم کے بالکل نزدیک آ گئے ۔ اسی پگڈنڈی سے چلے جاؤ تمہیں سورج دیوتا کے درشن ہوں گے ۔"

نوجوان اُسی پگڈنڈی سے ہو کر چل پڑا کچھ ہی دیر کے بعد اُس کی ایک نوجوان اجنبی سے ملاقات ہوئی ۔ اجنبی نے پوچھا " رستے میں تم نے کچھ ہتھیار پڑے دیکھے تھے ؟"

نوجوان نے کہا :" ہاں میں نے انھیں دیکھا تھا ۔"

" اُنھیں چھوا تو نہیں ؟"

" نہیں ! وہ میری چیزیں نہیں تھیں اس لئے میں انھیں چھوڑ کر چلا آیا ۔"

اجنبی نے کہا: "تم ایماندار ہو۔ کہاں جا رہے ہو؟"
"سورج دیوتا کے ہاں۔"
اجنبی نے کہا: "میرا نام لال تارا، صبح کا تارا ہے۔ سورج دیوتا میرے باپ ہیں۔ دن بھر کا کام ختم کر کے ہی وہ تم سے ملاقات کر سکیں گے۔"
کچھ ہی دیر بعد دونوں آشرم میں پہنچ گئے۔ آشرم میں سورج دیوتا کی بیوی اور لال تارا کی ماں چندا رانی (چاند) تھیں۔ چندا رانی نے نوجوان سے پیار کی باتیں کیں اور پھر کھانا کھلایا۔ دن گذرنے پر سورج دیوتا گھر آئے۔ جب انھیں معلوم ہوا۔ کہ نوجوان کسی خاص غرض سے آیا ہے اور لال تارا نے اُس کی ایمانداری پرکھ لی ہے۔ تو بولے "تمہارے آنے سے میں خوش ہوں۔ جب تک تمہاری مرضی ہو ہم لوگوں کے ساتھ رہو۔ لال تارا تو تمہارا دوست ہو ہی چکا ہے۔"
دوسرے دن چندا رانی بولیں: "لال تارا کے ساتھ جہاں خوشی ہو وہاں جا سکتے ہو۔ لیکن پانی کے اس وسیع ذخیرے سے اسے بچاتے رہنا۔ کیونکہ پانی میں بڑے بڑے شریر پرندے رہتے ہیں۔"
نوجوان بہت دنوں تک وہاں رہا اور لال تارا کے ساتھ شکار کھیلتا رہا۔ ایک دن انھوں نے سمندر کے کنارے

ڈراؤ نے سمندری پرندوں کو دیکھا۔ لال تارا نے کہا: "چلو ہم لوگ چڑیوں کو ماریں۔"

دوست نے جواب دیا: "نہیں، نہیں، ہم لوگوں کو وہاں نہیں جانا چاہیئے۔"

لیکن لال تارا نے اُس کی ایک نہ سُنی۔ وُہ پانی کی طرف دوڑا لال تارا کی حفاظت کے فرض کا اُسے ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ اِس لئے وہ لال تارا کے ساتھ ہی دوڑ پڑا اور اُس نے برچھے سے اُن پرندوں کو مار ڈالا کیونکہ وہ لال تارا کے جسم پر چونچ مارنے کو جھپٹے آ رہے تھے۔

اس بھلائی کے لئے لال تارا کی ماں بہت شکر گذار ہوئی اور رات کو جب سورج دیوتا نے یہ واقعہ سُنا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ بولے: "بچے آج تم نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے۔ وہ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ کہو میں تمہاری کیا مدد کروں۔"

نوجوان نے جواب دیا۔ میں آپ کی مہربانی کے لئے ہی یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ میں جس سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں وہ لڑکی کہتی ہے کہ شاید آپ نے اُسے کسی کے ساتھ بیاہ کرنے سے منع کیا ہے۔"

سورج دیوتا بولے۔ "تمہارا کہنا صحیح ہے۔ وہ نیک لڑکی اپنے شوہر اور اپنی اولاد کے ساتھ لمبی زندگی حاصل کرے گی۔ خیر اب تم اپنے گھر جا سکتے ہو۔ مگر جانے سے پہلے میرے ساتھ چلو اور

دُنیا کو دیکھ لو۔"

یہ کہہ کر سورج دیوتا نوجوان کو آسمان کے ایک کنارے پر لے گئے۔ اور وہاں سے اُنہوں نے دکھایا۔ زمین گولائی لئے ہوئے کچھ چپٹی ہے۔

سورج دیوتا نے کہا "تم زمین کے لوگوں کے لئے ایک پیغام لیتے جاؤ۔ جب کوئی بیمار ہو یا مصیبت میں پڑا ہو تو اس کی بیوی میری اس طرح منّت کرے : اگر میرے شوہر تندرست ہو جائیں گے تو میں سورج دیوتا کے لئے مندر بنواؤں گی۔" اگر وہ صاف اور سچّے دل سے ایسا کرے گی تو میں خوش ہوں گا۔ اور بیمار شخص کو تندرست کر دوں گا۔ تم میرے لئے جو مندر بنواؤ گے وہ زمین کی طرح ہی گول ہونا چاہئے۔ ہاں پہلے لو ہے کی ایک سو سلاخوں سے ایک خوبصورت گھیرا تیار کر لینا۔ وہ مکان آسمان یا زمین کی گولائی کی طرح کا ہو گا۔ اُس کا آدھا حصّہ لال رنگ سے رنگا ہوا ہونا چاہئے۔ یہ رنگا ہوا حصّہ دن کہلائے گا۔ آدھے کو کالے رنگ سے رنگ دینا یہ حصّہ رات ہو گا۔"

اتنا کہہ کر سورج دیوتا نے ایک اچُوک دوا اس کی گال پر مل دی۔ جس سے زخم کا داغ مٹ گیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے پہاڑی کوّے کے دو پر اُسے دیئے اور کہا۔ تندرستی کا مندر

بنانے والی عورت کا خاوند انھیں ضرور پہنا کرے۔"
لال تارا اور چندا رانی نے بھی اُسے بہت سی چیزیں تحفے کے طور پر دیں۔ چندا رانی نے روتے ہوئے آشیرباد دے کر نوجوان کو رُخصت کیا۔ سورج دیوتا نے سب سے نزدیک کی راہ دکھائی۔ وہ راہ کہکشاں تھی۔ نوجوان اسی راہ سے ہوتا ہوا گھر پہنچ گیا۔
جب اُس نے اپنی بیش قیمت پوشاکیں اُتاریں تو لوگوں کے تعجب کی حد نہ رہی۔ اُس نے نہایت خوبصورت کپڑے پہن رکھے تھے۔ اُس کے تیر کمان، ڈھال تلوار اور دوسرے طرح طرح کے ہتھیار عجیب ڈھنگ کے تھے۔ پھر بھی لوگوں نے اُسے پہچان لیا اور تپاک سے اُس کا استقبال کیا۔
وہ لڑکی اب تک نوجوان کا انتظار کر رہی تھی۔ نوجوان نے اپنی پگڑی سے دونوں پر نکال کر اُسے دے دیئے اور کہا "سورج دیوتا نے تمھارے لئے یہ پر بھیجے ہیں۔ وہ تم سے خوش ہیں"
اس بات سے لڑکی بہت خوش ہوئی۔ پھر دونوں کی شادی ہو گئی۔ انھوں نے سورج دیوتا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے پہلا تندرستی کا منڈپ بنوایا۔ سورج دیوتا نے انھیں لمبی زندگی دی۔ وہ لوگ عمر بھر بیمار نہ ہوئے۔

سونیا اور بارہ مہینے

شمالی رُوس میں ایک جنگل کے پاس ایک گاؤں میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اُس کی بیوی مرچکی تھی۔ اُس کی ایک نیک لڑکی تھی۔ جس کا نام سونیا تھا۔ کچھ دن کے بعد اُس کے باپ نے ایک بیوہ سے شادی کرلی۔ اُس کی بھی ایک لڑکی تھی۔ اُس کا نام نتاشا تھا۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں بہت بُری تھیں۔ سونیا کو ہر وقت تنگ کرنا ہی اُن کا کام تھا۔ نتاشا اور اس کی ماں سونیا سے دن بھر کام کراتیں اور خود بیٹھی رہتیں۔ اس پر بھی وہ اُسے نہ تو پیٹ بھر کھانا دیتیں اور نہ اچھے کپڑے پہننے کو دیتیں۔ اُس کا باپ اپنی نئی ظالم بیوی کے ڈر سے بھی کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔

ایک دن خوب جاڑا پڑ رہا تھا۔ برف گر رہی تھی تو سونیا کی سوتیلی ماں نے اُس سے کہا۔" جا جلدی سے جنگل میں جاکر اسٹابری چن لا۔"

وہ اسٹابریوں کا موسم نہیں تھا۔ اس لئے سونیا نے کہا "ماں یہ تو برف کا موسم ہے۔ آج کل یہ پھل نہیں ملے گا۔ میں کہاں سے

لاؤں ؟" مگر اُس کی سوتیلی ماں نے ایک نہ سُنی اور اُسے ایک ڈولچی دے کر دروازے سے باہر نکال دیا ۔ مگر برف میں اسٹابری کہاں سے آتی ؟ تلاش کرتے کرتے شام ہو گئی ۔ اور وہ روتی ہوئی واپس آنے لگی ۔ اُسے یہ ڈر تھا ۔ کہ کہیں بھیڑیئے نہ کھا جائیں ۔ اس لئے وہ تیزی سے قدم اٹھانے لگی ۔ مگر گھر کا رستہ بھول کر گھنے جنگل میں پہنچ گئی ۔ اب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔ اتنی ہی دیر میں اُسے دُور سے ایک روشنی دکھائی دی ۔ اُس کی کچھ ہمّت بندھ گئی ۔

وہ اُسی روشنی کی سیدھ میں پہنچی تو کیا دیکھا کہ ایک بڑا سا الاؤ جل رہا ہے ۔ اور اُس کے چاروں طرف ایک گھیرے میں بارہ آدمی بیٹھے ہاتھ سینک رہے ہیں ۔ جونہی اُن آدمیوں نے اس بچّی کو دیکھا اُن میں سے ایک نے جس کے ہاتھ میں ایک شاہی عصا تھا پُوچھا : بیٹی تم کون ہو ؟ یہاں اس وقت کیوں آئی ہو ؟" یہ کہہ کر اس نے اُسے آگ کے پاس بٹھا لیا ۔ جب سونیا کچھ اپنے آپ میں آئی تو بولی : "مجھے میری سوتیلی ماں نے آج اسٹابری لانے کے لئے کہا ہے ۔" اور اس نے ساری بات کہہ سنائی ۔

وہ آدمی بارہ مہینے تھے ۔ ان میں سے جس کے ہاتھ میں شاہی عصا تھا ۔ وہ دسمبر کا مہینہ تھا ۔ اس نے اپنا شاہی عصا مئی مہینے کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا : "آپ تھوڑے وقت کے لئے

حکومت کریں!"

مئی مہینے کے شاہی عصا ہاتھ میں لیتے ہی فوراً برف پگھل کر نیچے سے اسٹابریاں نکل آئیں۔ سونیا نے جلدی سے اپنی ڈولچی بھر لی اور سلام کر کے گھر کو چل دی۔ اس کے بعد مئی نے پھر وہ شاہی عصا دسمبر کے حوالے کیا۔

سونیا کی سوتیلی ماں اس موسم میں اسٹابریاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس نے تو یہ سوچ رکھا تھا۔ کہ سونیا کو اسٹابری کہاں سے ملے گی۔ مگر بھیڑیے تو ضرور ملیں گے۔ اور اسے کھا جائیں گے۔ کچھ وقت گذر گیا اور نتاشا اور اس کی ماں نے پھر سے صلاح کر کے سونیا کو بہار کے موسم کا ایک پھول لانے کو کہا۔ بے چاری کو پھر جانا پڑا وہ پھر اسی طرح روتی پیٹتی جنگل میں گئی۔ اور چلا چلا کر کہنے لگی۔" بارہ مہینو! بارہ مہینو!! مہربانی کرو اور مجھے پھول دے دو"

وہ پھر اسی جگہ پر آگئی۔ جہاں پہلے وہ اسے ملے تھے اس نے سب حال کہہ سنایا۔ اب شاہی عصا مارچ کو کچھ وقت کے لئے دیا گیا۔ بس فوراً مارچ جیسا موسم ہو گیا اور پھول نکل آئے۔ سونیا نے فوراً پھول لے لئے اور بھاگ کر گھر آگئی۔

جس کے ہاتھ میں ایک شاہی عصا تھا، اس نے پوچھا۔" بیٹی تم کون ہو؟
یہاں اس وقت کیوں آئی ہو۔" یہ کہہ کر اس نے اسے آگ کے پاس بٹھا دیا۔

سوتیلی ماں اُسے دیکھ کر سوچنے لگی کہ ضرور کوئی جادوگر جنگل میں سونیا کی مدد کرتا ہے۔ اِس لئے اُس نے اپنی بیٹی نتاشا کو بھی بھیجا۔ نتاشا جب اُن مہینوں کے پاس پہنچی تو اُس نے اُن کے سوال کا جواب بہت بُرے ڈھنگ سے دیا۔ اس پر دسمبر جیسے کو غصّہ آگیا اور اُس نے خوب برف گرانی شروع کی۔ نتاشا گھر کا رستہ بھول گئی اور برف میں دب کر مر گئی۔

جب وہ کئی دن تک واپس نہ آئی تو ماں اُس کو ڈھونڈنے نکلی اور اُسے بھی اپنے بُرے کاموں کا پھل ملا۔ اُسے ایک بھیڑیا کھا گیا۔ اب سونیا اپنے باپ کے ساتھ مزے سے رہنے لگی۔ کچھ مدّت کے بعد ایک شہزادہ اُس جنگل کے پاس سے گذرا اور رات بھر اُسی گاؤں میں سونیا کے باپ کے گھر ٹھہرا۔ وہ سونیا کی عقلمندی اور مہمان داری کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے اس سے بیاہ کر لیا۔

اس کتاب کے لکھنے والے

۱۔ منمتھ ناتھ گپت ... کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں۔ بچوں کے ادب میں 'بنگلہ کی لوک کتھائیں' 'فرنچ لوک کتھائیں' 'دیش بدیش کی کہانیاں' اور رنگ منچ شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ ساوتری دیوی ورما ... بچوں کی نفسیات پر آپ کا 'ممتا' کتاب کی مصنف ہیں۔ بچوں کے ادب میں 'کتھا بھارتی' 'جنگل جیوتی' 'شیکسپیئر کی کہانیاں' کتھا کہانی (بال پنچ تنتر) اتر پردیش کی لوک کتھائیں' وغیرہ آپ کی کتابیں چھپ چکی ہیں۔

۳۔ اوپیندر ... ہندی کے مشہور مصنف اور مؤلف ہیں۔

۴۔ ٹوموزی مرتو ... جاپان کے رہنے والے ہیں اور ہندی لکھتے ہیں۔

۵۔ مہادیو کرمارکر ... ہندی کے ایک ہونہار لکھنے والے

۶۔ بلدیر ملتیز چیک لوک کہانیوں کے مترجم

۷۔ گیتا کرشنا تری آپ اپنے پتی کے ساتھ تبت گئی تھیں وہیں سے آپ نے دو لوک کہانیاں لکھ کر بھیجیں۔

۸۔ وردان دیر ہندی کے ایک مصنف، پنجاب کے رہنے والے ہیں

۹۔ نیرا سکسینہ . . . . ہندی کی ایک ہونہار لکھنے والی ہیں۔

۱۰۔ سوریہ بھان گپتا . . . ایک ہندی لکھنے والے

۱۱۔ گینڈا رام سگندھ . . آپ کے کئی مضمون بال بھارتی میں چھپ چکے ہیں

۱۲۔ موہن سنگھ سامنت.. ہندی کے ہونہار لکھنے والے

۱۳۔ سروج ہری بھوشن.. ایک ہندی لکھنے والی

پبلیکیشنز ڈویژن
منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ
اولڈ سیکرٹریٹ دہلی ۸

The Eastern Printing Press, Nicholson Road, Delhi.

دیس دیس کی لوک کہانیاں
پبلیکیشنز ڈویژن